itsurdu.blogspot.com

قوم اور قومیت

سٹالن

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com
Scanned by CamScanner

itsurdu.blogspot.com

قوم اور قومیّت

اسٹالن

مکتبہ فکر و دانش
۱۸ اے مزنگ روڈ، لاہور

itsurdu.blogspot.com
Scanned by CamScanner

itsurdu.blogspot.com

ترتیب

قوم سے کیا مراد ہے، ۷
قومیت کا ارتقار اور عروج، ۱۷
قومیت سرمایہ دارانہ نظام کی پیداوار ہے، ۲۳
سامراجی ریاستیں، ۲۹
قوموں کے حقِ خود ارادیت سے کیا مطلب ہے، ۳۱
قومی تحریکیں، ۳۷
قومی تحریکوں کا انقلابی کردار، ۴۳
سرمایہ داری اور قومی مسئلہ، ۴۷
سرمایہ دارانہ نظام کا انتشار اور اشتراکی نظام کا اتحاد، ۵۳
اکتوبر انقلاب اور قومی سوال، ۵۹
اکتوبر کا انقلاب اور کمیونسٹوں کی قومی پالیسی، ۶۹
اکتوبر کے انقلاب کی بین الاقوامی اہمیت، ۷۷
سوویت وفاق کے چار بنیادی اصول، ۷۹
سوویت وفاق میں قوموں کی آزاد شمولیت، ۸۱

ناشر ——— محمد الیاس
تعداد ——— ۱۰۰
مطبع ——— شرکت پرنٹنگ پریس لاہور
قیمت ——— ۱۲/۰ روپے

Scanned by CamScanner
itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

سوویت رُوس میں علاقائی خود مختاری ، ۸۵

سوویت خود مختاری کی قسمیں اور خصوصیتیں ، ۸۷

منتشر اقلیتوں کے تحفظ کا سوال ، ۹۱

مزدور طبقے کی واحد سیاسی جماعت ، ۹۳

اشتراکی اور قومی تحریک ، ۹۷

لینن اور قومی تہذیب ، ۱۰۱

قوم سے کیا مُراد ہے؟

قوم کی ہیئت ترکیبی کے سلسلے میں سب سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ کوئی قوم کسی ایک ہی قبیلے یا انسانی جماعت یا کسی ایک ہی نسل کے افراد پر مشتمل نہیں ہوتی۔ مثلاً یہ سوچنا غلط ہے کہ انگریز قوم کے تمام افراد ہزاروں سال پہلے کے کسی واحد قبیلے کی اولاد ہیں یا ایک ہی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ جدید برطانوی قوم متعدد انسانی جماعتوں اور نسلوں سے مل کر بنی ہے مثلاً رومی، جرمانی، ترکی، یونانی، عربی وغیرہ۔ اسی طرح فرانسیسی قوم میں بھی ابتدائی زمانے کی مختلف اور متعدد نسلوں اور انسانی جماعتوں کے خون کی آمیزش ہے جیسے گالی، رومی، برطانوی، جرمن وغیرہ۔ انگریز اور جرمن قوموں کا بھی یہی حال ہے یعنی ان کے خون میں بھی مختلف قوموں اور نسلوں کے خون کی آمیزش ہے۔ غرض قوم کسی ایک ہی قبیلے یا نسل کے بطن سے نہیں جنم لیتی۔ قوم کی ترتیب و تعمیر میں دراصل تاریخ کا ہاتھ ہوتا ہے۔ تاریخی عمل اور تاریخی طاقتیں مختلف نسلوں اور جماعتوں کے افراد کو قومیت

Scanned by CamScanner
itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

کے باہمی رشتے میں منسلک کر دیتی ہیں۔ قوموں کو تاریخ وجود میں لاتی ہے نہ کہ نسل یا قبیلہ۔

لیکن یہاں پر ایک غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے۔ ممکن ہے کوئی یہ کہے کہ سکندر کی عظیم الشان سلطنتیں بھی تاریخی طاقتوں کی پیداوار تھیں لیکن کیا ان سلطنتوں کے تمام افراد کسی ایک ہی قوم کے افراد کہے جا سکتے ہیں یقیناً نہیں معلوم ہوا کہ ہم ایسے انسانی اجتماع کو جسے تاریخ وجود میں لائی ہو، قوم کا لقب نہیں دے سکتے۔ اس کے لیے کسی اور شرط کا پورا ہونا ضروری ہے سب سے پہلے تو ہمیں یہ جان چاہیے کہ سکندرِ اعظم[1] یا سیرس کی سلطنت کو ہم کیوں قوم نہیں کہہ سکتے۔ دراصل یہ سلطنتیں مختلف انسانی گروہوں کے ایک ڈھیلے ڈھالے اجتماع سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی تھیں۔ ان گروہوں کے درمیان بنیادی اور اندرونی طور پر کوئی اشتراک یا اتحاد نہیں ہوتا تھا۔ یہ سلطنتیں محض کچھ خارجی طاقتوں کی بنا پر وجود میں آجاتی تھیں اور ان سے مختلف انسانی گروہوں کی سیاسی زندگی کا ایک سطحی اتحاد ہو جاتا تھا۔ یہ خارجی طاقتیں کیا تھیں، جو انھیں عارضی طور پر ایک ہی سیاسی نظام کے ماتحت لے آتی تھیں؟ مثلاً کسی فاتح کی فتح، اور اگر بعد میں وہ فاتح یا اس کی اولاد شکست کھا گئی تو پھر اس سطحی سیاسی اتحاد کے تار و پود بکھر جاتے تھے اور سلطنت میں شامل انسانی گروہ الگ الگ[2] ہو جاتے تھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ہم ایسی انسانی جمعیت کو قوم کا لقب نہیں دے سکتے، جو عارضی اور وقتی طور پر وجود میں آئی ہو۔ قوم کہلانے کے لیے اس انسانی جمعیت کے اتحاد کا مضبوط اور پائدار ہونا ضروری ہے۔ قوم انسانوں کے مضبوط اور

---

[1] یا مغلوں کی سلطنت کو۔

[2] مغل سلطنت یا پٹھان سلطنت کی تاریخ اس حقیقت کی واضح مثالیں ہیں۔

پائدار گروہ کا نام ہے اور یہی وہ شرط ہے جس کے پورا ہوئے بغیر تاریخ کے ذریعے وجود میں آنے والی کسی انسانی جماعت کو ہم قوم کا لقب نہیں دے سکتے۔

لیکن معاملہ یہاں پر آکر نہیں رکتا۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ ہم ہر مضبوط اور پائدار گروہ کو قوم نہیں کہہ سکتے۔ مثلاً آسٹریا یا روس کی مثال لے لیجیے۔ یہ دونوں بہت مضبوط اور پائدار سیاسی گروہوں کے نام ہیں لیکن ہم ان میں سے کسی کو بھی ایک قوم نہیں قرار دے سکتے۔ آسٹریا یا روس مضبوط سیاسی گروہ ہیں لیکن وہ قومی گروہ نہیں ہیں۔ قومی گروہ اور سیاسی گروہ کے فرق کو سمجھنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ دونوں کے درمیان متعدد باتیں باعثِ امتیاز ہیں، جن میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ قومی افراد کے افراد میں کسی ایک مشترکہ زبان کا رائج رہنا ضروری ہے۔ سیاسی گروہ کے لیے لسانی اشتراک و اتحاد شرط نہیں ہے۔ چیکوسلاویکیہ کی قومیت اس لیے وجود میں آئی کہ وہاں ایک مشترکہ زبان رائج تھی۔ اسی طرح پولینڈ کی قومیت بھی اپنی ایک مشترکہ زبان کے بغیر وجود میں نہیں آسکتی تھی۔ اس کے برخلاف روس اور آسٹریا میں سیاسی اتحاد قائم ہے۔ لیکن دونوں کی حدود کے اندر متعدد زبانیں بولی جاتی ہیں۔ یہاں پر زبان سے مراد وہ ٹوٹی پھوٹی زبان ہے جو عوام کی روزمرہ زندگی میں مستعمل ہوتی ہے۔ اس سے مراد سرکاری زبان نہیں ہے لیکن لسانی اختلاف سے روس یا آسٹریا کا سیاسی اتحاد متاثر نہیں ہوتا۔ غرض قومیت کی ایک شرط لسانی اشتراک بھی ہے۔

لیکن کیا یہ ضروری ہے کہ دنیا کی تمام قومیں مختلف اور علیحدہ علیحدہ زبانیں استعمال میں لائیں؟ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ایک سے زیادہ قوموں میں ایک ہی زبان رائج ہو۔ پھر کیا ایک ہی زبان بولنے والے تمام افراد لازمی طور پر ایک ہی قوم سے متعلق ہوتے ہیں؟ ان تمام سوالوں کا

Scanned by CamScanner

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

جواب نفی میں ہے۔ ایک ہی قوم کے تمام افراد میں ایک ہی زبان کا رائج ہونا تو ضروری ہے۔ لیکن یہ بالکل لازمی نہیں کہ مختلف قومیں مختلف زبانیں ہی بولیں۔ یہ تو ٹھیک ہے کہ دنیا میں کوئی ایسی قوم نہیں جس کے افراد بیک وقت مختلف زبانیں استعمال کرتے ہوں۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ دنیا میں دو ایسی مختلف قوموں کا وجود غیر ممکن ہے جو ایک ہی زبان بولتی ہوں۔ انگریز اور امریکی ایک ہی زبان بولتے ہیں، لیکن کیا دونوں ایک ہی قوم ہیں ؟ ہرگز نہیں۔ ناروے اور ڈنمارک کی زبان ایک ہی ہے لیکن دونوں علیحدہ علیحدہ قومیتوں کے حامل ہیں۔ انگریز اور آئرلینڈ کے لوگوں کی مثال لے لیجیے۔ یہ دونوں قومیں ایک ہی زبان بولتی ہیں لیکن دونوں کا قومی اختلاف دیکھ لیجیے۔

سوال یہ ہے کہ انگریز اور امریکی ایک ہی زبان بولنے کے باوجود ایک ہی قوم کیوں نہیں ہیں۔ سب سے پہلی وجہ تو یہ ہے کہ انگریز اور امریکی ایک خطے میں آباد نہیں بلکہ مختلف خطوں میں آباد ہیں۔ قومیت کی بنیاد کی تعمیر کرنے اور اسے مضبوط کرنے کے لیے ضروری ہے کہ لوگ پشتہا پشت سے ساتھ رہ رہے ہوں تبھی تو ان کے درمیان مسلسل مستقل اور طویل تعلقات اور رشتے پیدا ہو سکتے ہیں، جو ان کو واحد قومیت کے رشتے میں منسلک کر دیں گے لیکن یہ ایک بالکل صاف بات ہے کہ لوگ اس وقت تک پشتہا پشت تک ایک ساتھ نہیں رہ سکتے جب تک وہ ایک ہی خطۂ ارض میں آباد نہ ہوں۔ انگریز اور موجودہ امریکیوں کے آباؤ اجداد پہلے ایک ہی خطۂ ارض یعنی انگلستان میں آباد تھے اس لیے ایک ہی قوم کے افراد تھے۔ پھر انگلستان کی آبادی کا ایک حصہ اپنا آبائی وطن چھوڑ کر ایک نئے خطے یعنی امریکہ میں جا بسا۔ یہاں زمانے کی طاقتیں ایک

نئی قوم کو جنم دینے لگیں ثابت ہوا کہ مختلف زمینی خطے مختلف قوموں کو جنم دیتے ہیں۔ چنانچہ قوم کو وجود میں لانے کے لیے ایک ہی خطۂ ارض میں رہنا بھی ہے۔

لیکن محض ایک ہی ملک، یا خطے میں رہنا قوم بننے کے لیے کافی نہیں۔ یہ ضروری ہے کہ قوم کے افراد میں معاشی تعلقات کی ہم آہنگی پائی جاتی ہو اگر کوئی انسانی جماعت ایک ہی خطۂ ارض میں آباد ہو اور قوم بننا چاہتی ہو تو ضروری ہے کہ ایسے معاشی تعلقات اور معاشی طاقتیں موجود ہوں جو اس انسانی جماعت کے مختلف حصوں اور فرقوں کو ایک ہی ملت اور ایک ہی وحدت میں تبدیل کر دیں۔ چونکہ انگلستان اور امریکہ کے درمیان اس قسم کا گہرا معاشی رشتہ نہیں پایا جاتا، جو ان دونوں کو ملا کر ایک ہی قوم میں تبدیل کر دے اس لیے وہاں دو مختلف قومیں آباد ہیں۔ امریکہ ہی کی مثال لے لیجیے تو معلوم ہو گا کہ قومیت کی تعمیر میں معاشی اتحاد کا کتنا اہم حصہ ہوتا ہے۔ امریکہ کے باشندے یورپ کے مختلف ملکوں سے آنے کے باوجود ایک قوم کیوں بن گئے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ معاشی طاقتوں نے تقسیم محنت اور ذرائع حمل و نقل کے ذریعے ملک کے تمام حصوں کو باہم منسلک کر دیا اور اس طرح امریکی قوم وجود میں آئی۔

معاشی اتحاد کے بغیر ایک ہی خطے میں بسنے والے قوم نہیں کہلا سکتے۔ اس کی ایک اور مثال لیجیے۔ جارجیا میں نئی اصلاحات رائج ہونے سے پہلے یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ جارجیا کے بسنے والے ایک ہی قوم کے افراد ہیں۔ حالانکہ وہ ایک ہی خطے میں آباد تھے اور ان کے درمیان ایک ہی زبان رائج تھی۔ وجہ یہی تھی کہ ان کے اندر معاشی زندگی کا اشتراک و اتحاد موجود نہیں تھا۔ وہ مختلف علیحدہ علیحدہ ریاستوں میں بٹے ہوئے تھے، جس کی وجہ سے معاشی اتحاد نہیں ہو پاتا تھا۔

Scanned by CamScanner
itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

صدیوں تک وہاں کی مختلف ریاستوں کے درمیان جنگ و جدل کا ہنگامہ مچا ہوا تھا۔ ریاستیں ایک دوسرے کو شکست دینے کے لیے غیر ملکوں سے سازشیں اور ریشہ دوانیاں کرتی تھیں۔ کبھی کسی ریاست نے اپنی حریف ریاست کے خلاف ترکوں کا ساتھ دے دیا۔ کبھی کسی ریاست نے ایرانیوں کا ساتھ دے دیا۔ اس طرح وہاں کی ریاستیں مدتوں تک ترکوں اور ایرانیوں کو ایک دوسرے کے خلاف بھڑکاتی رہیں۔ اگر کسی ریاست کا بادشاہ بہت طاقتور ہوا اور اپنی پوزیشن قائم کرنے میں کامیاب رہا تو وہ تمام ریاستوں کے درمیان عارضی طور پر اتحاد قائم کر دیتا تھا۔ لیکن اس اتحاد کی نوعیت اتفاقی اور مدت مختصر ہوتی تھی۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا تھا کہ ایک سطحی سرکاری انتظام قائم ہو جاتا تھا۔ جس کے کمزور ہوتے ہی مختلف ریاستیں پھر خود مختار ہو جاتی تھیں اور باہمی جنگ و جدال شروع ہو جاتا تھا۔ ریاست کے حکمرانوں کی غیر ذمہ دارانہ حرکات اور کسانوں کی بے توجہی اور غیر دلچسپی، عارضی اور سطحی نظامِ حکومت کو جلد ہی تتر بتر کر دیتی تھی۔ چونکہ جارجیا معاشی لحاظ سے غیر متحد تھا اس لیے وہاں اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار بھی نہ تھا اور یہ انتشار کی کیفیت کچھ لازمی سی تھی لیکن انیسویں صدی کے نصف آخر میں وہاں معاشی تبدیلی رونما ہوئی۔ جاگیری نظام کا زوال ہوا اور اس کے تار و پود بکھر گئے۔ سرمایہ دارانہ نظام نے آگے قدم بڑھایا۔ ذرائع حمل و نقل کی ترقی و توسیع ہوئی۔ ملک کی معاشی صورتِ حال بدلی۔ جارجیا کے مختلف ضلعوں میں تقسیم محنت کی بنیاد پڑی یعنی کوئی بھی ضلع خود کفیل نہ رہا۔ معاشی لحاظ سے ایک ضلع دوسرے ضلع کا ضرورتمند بن گیا۔ پہلے ایک ریاست دوسری ریاست سے معاشی لحاظ سے بے نیاز تھی لیکن اب لازمی طور پر اس بے نیازی کا خاتمہ ہو گیا اس طرح پورے جارجیا میں معاشی اتحاد اور معاشی مفاد کا ایک جال سا پھیل گیا جس نے

جارجیا کی تمام ریاستوں کو متحد کر دیا۔ اس طرح انیسویں صدی کے نصف آخر میں جارجیا والے ایک متحدہ قوم کی حیثیت سے منظرِ عام پر رونما ہوئے۔

یہی بات ان تمام قوموں پر صادق آتی ہے جو جاگیری دور سے گزر کر سرمایہ دارانہ نظام میں قدم رکھ چکی ہیں اور آگے بڑھ رہی ہیں۔ جاگیری نظام میں معاشی انتشار تھا لیکن سرمایہ دارانہ نظام میں معاشی اتحاد و اشتراک کا رجحان پایا جاتا ہے۔ اس لیے سرمایہ داری کا عروج قوموں کو وجود میں لاتا ہے۔ غرض معاشی زندگی کا اشتراک اور معاشی یکجہتی قومیت کا ایک لازمی عنصر ہے۔

لیکن ابھی قومیت کے تمام عناصر کا تذکرہ ختم نہیں ہوا۔ ہمیں قوم کے افراد کے مخصوص روحانی کردار کو بھی زیر غور لانا ہے۔ ایک ہی قوم سے متعلق مختلف افراد کا ایک مخصوص روحانی اور داخلی انداز ہوتا ہے۔ غرض کہ قومیں نہ صرف زندگی کے خارجی حالات کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں بلکہ اپنی داخلی اور روحانی خصوصیات کے لحاظ سے بھی یہ داخلی اور روحانی فرق مختلف قومی تہذیبوں میں ظاہر ہوتا ہے مثلاً انگلستان، امریکہ اور آئرلینڈ میں ایک ہی زبان بولی جاتی ہے لیکن اس کے باوجود وہاں تین مختلف قومیں آباد ہیں۔ اس کے متعدد اسباب ہیں لیکن ان میں سے ایک سبب یہ بھی ہے (جو دوسرے اسباب سے کسی طرح کم اہم نہیں) کہ تینوں قوموں کی نفسیاتی ساخت علیحدہ علیحدہ ہے۔ یہ نفسیاتی اختلاف نتیجہ ہے خارجی حالات کے اختلاف کا، جو پشتہا پشت سے چلا آ رہا ہے۔ اس خارجی حالات کے مختلف ہونے کے سبب سے ان کی نفسیاتی ساخت صدیوں سے جدا جدا رہی ہے۔ مختلف خارجی حالات کی گود میں مختلف

نفسیاتی ساخت کی بحث کے سلسلے میں یہاں ایک اہم بات پیدا ہو جاتی ہے۔ نفسیاتی

Scanned by CamScanner
itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

ساخت کو آپ دوسرے لفظوں میں قومی کردار کہہ لیجیے یا ان قومی خصوصیات کا مجموعہ جو ایک قوم کے افراد کو دوسری قوم کے افراد سے کئی باتوں میں ممیز کرتی ہیں ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ قومی کردار بجائے خود ایک غیر مرئی چیز ہے۔ وہ بجائے خود ایسی چیز نہیں کہ اس کو بیان کیا جاسکے یا اس کی شکل و صورت متعین کی جاسکے لیکن اگر ہم کسی قوم کے مخصوص کردار کو پہچان سکتے ہیں تو صرف اس کی تہذیب میں۔ قومی کردار کا اظہار اس کی تہذیب میں ہوتا ہے اور کسی قوم کی تہذیب ہی کا مطالعہ کر کے ہم اس کے مخصوص قومی کردار اور نفسیاتی ساخت کو پہچان سکتے اور اس کا یقین کرسکتے ہیں۔ قومی تہذیب ہی سے پتہ چلتا ہے کہ فلاں قوم کا فلاں قومی کردار ہے اور اس کی نفسیاتی ساخت یہ ہے۔ اس طرح ہم کسی قوم کی نفسیاتی ساخت یا دوسرے لفظوں میں اس کے قومی کردار کو نظر انداز نہیں کرسکتے۔

یہ بالکل واضح سی بات ہے کہ قومی کردار کوئی ایسی چیز نہیں کہ ایک ہی بار دفعتہً وجود میں آجاتا اور پھر ہمیشہ اسی طرح قائم رہے۔ زندگی کے خارجی حالات کے ساتھ ساتھ قومی کردار کی شکل میں بھی تبدیلی ہوتی رہتی ہے لیکن زندگی کے ہر لمحے میں اس کا وجود ضرور رہتا ہے چاہے وہ پہلے کی نسبت کتنا ہی تبدیل ہوچکا ہو چنانچہ قومی کردار کے اثرات ظاہر ہوکر رہتے ہیں اور وہ خارجی حالات پر اثر انداز بھی ہوتے ہیں۔

غرض ایک ہی قوم کے تمام افراد میں نفسیاتی ساخت اور قومی کردار کا مشترک ہونا بھی لازمی ہے، جس کا اظہار اس مخصوص قوم کی تہذیب میں ہوتا ہے۔

یہ ہیں قومیت کے اجزائے لاینفک۔ غرض قومیت کے تمام لازمی عناصر کا بیان مکمل ہوچکا۔

اُوپر جو کچھ کہا جا چکا ہے اسے مختصراً چند لفظوں میں یُوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ "قوم انسانوں کے ایک ایسے پائدار مضبوط گروہ کا نام ہے، جس کے ارتقاء و عروج میں تاریخ نے ہاتھ بٹایا ہوا ور اور جس کے اندر اشتراکِ زبان، اشتراکِ ارض، اور اشتراکِ معاش پایا جاتا ہو اور ساتھ ہی اس کی نفسیاتی ساخت بھی ایک ہی سی ہو ——— وہ نفسیاتی ساخت جس کا اظہار تہذیبی اتحاد و اشتراک کی صورت میں ہوتا ہے۔"

اس پر کسی کو اعتراض نہیں ہوسکتا کہ قوم تمام دیگر تاریخی مظاہر کی طرح تبدیلی اور انقلاب کا گہوارہ ہے اور اس کی ایک مخصوص تاریخ اور ایک مخصوص ابتدا اور انتہا ہوتی ہے۔

اوپر قومیت کی جن خصوصیات کا تذکرہ کیا گیا ہے، ان میں سے کسی تنہا ایک خصوصیت کی بنا پر ہم کسی انسانی جماعت کو قوم نہیں کہہ سکتے یعنی فرض کر لیجیے کہ کسی انسانی جماعت میں مذکورہ بالا خصوصیات میں سے کوئی ایک ہی خصوصیت پائی جاتی ہے تو ہم اس انسانی جماعت کو قوم نہیں کہہ سکتے۔ ساتھ ہی یہ بھی حقیقت ہے کہ کسی انسانی جماعت میں قومیت کی باقی خصوصیتیں تو موجود ہوں، لیکن ایک کی کمی ہو تو ممکن ہے محض ایک ہی خصوصیت کی وجہ سے وہ انسانی جماعت قوم کہلانے کی مستحق نہ ہو اور اس قوم کا بننا غیر ممکن ہو جائے۔ مثلاً انسانوں کی کسی جماعت میں نفسیاتی ساخت کا اشتراک پایا جاتا ہو اور اس کا ایک مخصوص قومی کردار بھی ہو لیکن اگر اس جماعت میں معاشی زندگی کا اشتراک موجود نہیں ہے اور وہ کسی ایک ہی خطے میں آباد نہیں ہے اور اس کی زبان بھی مشترک نہیں ہے تو ہم ایسی انسانی جماعت کو صرف قومی کردار کے ایک ہونے کی بنا پر قوم کا لقب نہیں دے سکتے۔ روس، گالیشیا، امریکہ، جارجیا اور کوہ قاف کے یہودیوں

Scanned by CamScanner
itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

کو لے لیجیے جو ایک ہی قومی کردار رکھتے ہوئے بھی ایک قوم نہیں ہیں۔

یہ بھی ممکن ہے کہ کچھ لوگ ایک ہی خطۂ ارض میں آباد ہوں اور مشترکہ معاشی زندگی میں بھی منسلک ہوں لیکن اگر ان کے اندر نہ زبان مشترک ہے اور نہ قومی کردار کا اشتراک موجود ہے تو پھر وہ ایک قوم نہیں کہلا سکتے۔ علاقہ بالٹک کی جرمن قوم اور لٹیوی قوم کی مثال لے لیجیے جو صرف لسانی اور نفسیاتی اشتراک نہ ہونے کی وجہ سے کسی ایک قوم کے افراد نہیں کہلا سکتے پھر ناروے اور ڈنمارک کے باشندے ایک ہی زبان بولتے ہیں لیکن دوسری خصوصیات کی عدم موجودگی کے باعث وہ ایک قوم نہیں ہیں۔ غرض قومیت کی تعمیر کے لیے مندرجہ بالا تمام خصوصیات کا مجموعی طور پر پایا جانا ضروری ہے اور صرف کسی تنہا ایک امتیازی خصوصیت کا پایا جانا کافی نہیں ہے۔ یہ ضرور ہے کہ جب ہم مختلف قوموں کا آپس میں موازنہ اور مقابلہ کرنے بیٹھیں گے تو کوئی ایک خصوصیت دوسری خصوصیات کی نسبت زیادہ نمایاں ہو کر ہمارے سامنے آئے گی۔ مثلاً اگر کسی قوم کے ساتھ قومی کردار زیادہ نمایاں ہو کر سامنے آئے گا تو دوسری قوم میں اشتراکِ زبان زیادہ اہم معلوم ہوگا۔ تیسری قوم کی زندگی میں بھی اشتراکِ ارض یا معاشی حالات زیادہ اہم نظر آئیں گے لیکن بہرحال قومیت اگر کوئی چیز ہے تو ان تمام خصوصیات کا مجموعہ ہی ہے۔

قومیت کا ارتقاء اور عروج

قومیت کے ارتقاء اور عروج کو ہم مختلف دوروں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ پہلا دور وہ ہے جب یورپ کے مغربی ملکوں میں یعنی آئرلینڈ کو چھوڑ کر برطانیہ، فرانس اور اٹلی میں کچھ حد تک جرمنی میں جاگیری نظام کو زوال ہوا اور سرمایہ دارانہ نظام نے فتح پائی۔ اسی زمانے میں مغربی یورپ کی آبادی مختلف قوموں میں تقسیم ہو گئی۔ ان ملکوں میں یہ ہوا کہ جس زمانے میں وہاں جاگیری نظام کا زوال ہو رہا تھا اور مختلف قومیں وجود میں آ رہی تھیں، اسی زمانے میں ان ملکوں میں مضبوط مرکز والی ریاستیں قائم ہوئیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ الگ الگ قومیں الگ الگ ریاستوں میں شکل پذیر ہو گئیں اور اسی شکل میں ترقی کی منزلیں طے کرنے لگیں۔ ان میں سے کسی بھی ریاست کے اندر کسی بڑی غیر ملکی یا غیر قومی جماعت یا اقلیت کا وجود نہیں تھا چنانچہ ریاست کے اندر ایک قوم پر دوسری قوم کے ظلم و تشدد کا وجود نہ رہا، مثلاً فرانس میں کوئی غیر فرانسیسی

Scanned by CamScanner

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

اقلیت نہیں تھی اور نہ برطانیہ میں کوئی غیر برطانوی اقلیت۔ چنانچہ جب وہاں قومیت نے آگے قدم بڑھایا تو غیر قومی اقلیت پر قومی اکثریت کے جبر و تشدد کا سوال ہی پیدا نہ ہوا تھا۔ مشرقی یورپ میں حالات اس سے مختلف تھے یعنی جس زمانے میں ہنگری، آسٹریا اور روس میں مختلف قومیں بن رہی تھیں اور جاگیری نظام کی جڑیں کھوکھلی ہو رہی تھیں، اسی زمانے میں وہاں مضبوط مرکزوں والی ریاستیں قائم نہیں ہوئیں بلکہ اس سے پہلے یعنی ان ملکوں میں مضبوط مرکزوں والی ریاستیں بہت پہلے قائم ہو چکی تھیں اور کافی مدت کے بعد جا کر کہیں ان ملکوں کی آبادی مختلف قوموں میں شکل پذیر ہوئی اور جاگیری نظام کا زوال ہوا۔ جس زمانے میں وہاں مضبوط مرکز والی ریاستیں قائم ہوئیں، اس وقت سرمایہ داری نے ابھی ترقی نہیں کی تھی بلکہ ابھی اس کی شروعات ہی ہوئی تھی۔ جب تک سرمایہ داری کا عروج نہیں ہوتا، اس وقت تک قومیں بھی وجود میں نہیں آتیں۔ اسی لیے مضبوط مرکز والی ریاستوں کے قائم ہو جانے کے بہت دیر بعد وہاں قومیں وجود میں آئیں۔ مضبوط مرکز والی ریاستیں قائم کرنے کی ضرورت اس لیے محسوس ہوئی کہ روس، آسٹریا اور ہنگری کو ترکوں، منگولوں اور دیگر ایشیائی حملہ آوروں سے ہمیشہ خطرہ لاحق رہتا تھا۔ چنانچہ ان ملکوں کے لوگوں نے حملہ آوروں کی مدافعت اور اپنی حفاظت کے پیش نظر یہ محسوس کیا کہ فوری طور پر مضبوط مرکز والی ریاستیں قائم ہو جائیں۔ اس طرح مشرقی یورپ میں مضبوط مرکز والی ریاستیں جلد ہی یعنی قومیت اور سرمایہ داری کے عروج سے پہلے ہی قائم ہو گئیں اور قومیں بعد میں شکل پذیر ہوئیں۔ برخلاف اس کے مغربی یورپ میں مضبوط مرکز والی ریاستیں اسی زمانے میں قائم ہوئیں جب سرمایہ داری اور قومیت فاتحانہ آگے بڑھ رہی تھیں۔ مشرقی یورپ میں

قوموں کے شکل پذیر ہونے سے پہلے ہی مضبوط مرکز والی ریاستیں قائم ہو گئیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر ریاست میں مختلف قوموں کے لوگ شامل ہو گئے۔ یہ قومیں ابھی تک قومیت کی ابتدائی منزل میں تھیں۔ مکمل طور پر علیحدہ علیحدہ قومیں نہیں بن سکی تھیں۔ مغربی یورپ کی ہر ریاست ایک قوم کے افراد پر مشتمل تھی لیکن مشرقی یورپ میں کوئی بھی ریاست کسی ایک واحد قوم پر مشتمل نہیں تھی بلکہ مختلف قوموں پر تھیں جو فوجی حفاظت اور مدافعت کی خاطر مضبوط مرکز والی مشترکہ ریاستوں میں منسلک اور متحد ہو گئی تھیں۔

غرض قومیت کے ارتقاء کے پہلے دور میں ہمیں دو باتیں نظر آتی ہیں۔ سرمایہ داری کے ابتدائی زمانے میں مختلف قومیں شکل پذیر ہوئیں۔ مغربی یورپ میں یہ ہوا کہ خالصتاً قومی ریاستیں وجود میں آئیں۔ ان میں سے ہر ریاست چونکہ ایک ہی قوم کے افراد پر مشتمل تھی اس لیے ریاست کے اندر ایک قوم پر دوسری قوم کے ظلم و تشدد کا سوال ہی نہیں تھا لیکن مشرقی یورپ میں ایسی ریاستیں پیدا ہوئیں جن میں سے کوئی بھی ریاست کسی ایک واحد قوم پر مشتمل نہیں تھی بلکہ مختلف اور متعدد قوموں پر مشتمل تھیں۔ مشرقی یورپ کی ہر ریاست میں یہ صورت تھی کہ کوئی ایک قوم سب سے زیادہ ترقی یافتہ ہے اور تمام دوسری قومیں اس کے مقابلے میں پچھڑی ہوئی ہیں۔ یہ ترقی یافتہ قوم ریاست میں شامل تمام دوسری پچھڑی ہوئی قوموں پر سیاسی لحاظ سے حاوی رہتی ہے اور آگے چل کر اس کا معاشی تسلط بھی قائم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ مشرقی یورپ کی انھیں کثیر القومی ریاستوں میں ایک قوم پر دوسری قوم کے ظلم و تشدد کا سوال پیدا ہوا اور اس طرح قومی تصادم، قومی تحریکیں اور قومی مسئلے وجود میں آئے اور ان کو

itsurdu.blogspot.com
Scanned by CamScanner

itsurdu.blogspot.com

سلجھانے کے مختلف طریقے پیدا ہوئے۔ یہ تھا قومیت کے عُروج کا پہلا دَور

قومیت کے عُروج کا دوسرا دَور وہ ہے جب سامراج (IMPERIALISM) وجود میں آیا یعنی جب سرمایہ داری منڈیوں اور کچے مال، ایندھن اور سستی محنت کی تلاش میں ملکی حدود سے باہر نکلی۔ سرمایہ داروں کو صنعتی اشیاء پیدا کرنے کے لیے سستے سے سستے داموں پر مزدوروں کی ضرورت تھی تاکہ جتنے کم خرچ پر اشیا تیار ہو جائیں، اُتنا ہی انھیں زیادہ داموں پر بیچ کر منافع حاصل کیا جا سکے۔ پھر سرمایہ داروں کو اپنی بنی ہوئی چیزوں کو بیچنے کے لیے منڈیوں کی ضرورت تھی اور سرمایہ دار اپنا سرمایہ دوسرے ملکوں میں بھی لگانا چاہتے تھے تاکہ دوسرے ملکوں کا اچھی طرح استحصال ہو سکے اور وہ منافع کما سکیں۔ چنانچہ جن ملکوں کا وہ استحصال کر رہے ہیں، ان سے تعلقات کا تسلسل قائم رکھنے کے لیے سمندر اور خشکی کے راستوں پر قبضہ جمانے کی ضرورت تھی۔ اس طرح مغربی یورپ کے سرمایہ دار اپنی اپنی قومی ریاستوں کی حدوں کو توڑ کر نزدیک اور دور کے ہمسایہ ملکوں کو غلام بنا لیتے ہیں۔ قومیت کے عروج کے اس دوسرے دَور میں مغربی یورپ کی پرانی قومی ریاستیں (یعنی برطانیہ، اٹلی اور فرانس) قومی نہیں رہتیں بلکہ بڑی بڑی کثیر القومی ریاستوں میں بدل جاتی ہیں۔ ان کے قبضے میں نئے نئے علاقے اور وسیع و عریض نوآبادیات آ جاتی ہیں۔ یہ کثیر القومی ریاستیں ایک قوم پر دوسری قوم کے ظلم و تشدد کا اکھاڑا بن جاتی ہیں اور نوآبادیات کے لوگوں پر سرمایہ دار حاکم قوم کا استحصال اور تشدد ہونے لگتا ہے۔ یہ استحصال اور تشدد وہی ہے جو مشرقی یورپ کی کثیر القومی ریاستوں میں پہلے ہی سے موجود تھا۔ اس دور میں یعنی قومیت کے ارتقا و عروج کے دوسرے دَور میں، جبکہ مغرب کی قومی

ریاستیں سامراجی ریاستوں میں تبدیل ہو گئی تھیں، چیکوسلاویکیا، پولینڈ اور یوکرین میں قومی بیداری پیدا ہوئی اور قومی تحریکوں نے سر اٹھایا۔ ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء کی سامراجی جنگ کے دوران میں یہاں کی قومی تحریکوں نے پرانی بورژوا کثیر القومی ریاستوں کے تار و پود بکھیر دیے اور ان کی غلامی سے نجات پا کر نئی قومی ریاستیں قائم کر لیں لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ہوا کہ یہ نئی قومی ریاستیں دنیا کی بڑی بڑی طاقتوں کی حلقہ بگوش ہو کر رہ گئیں۔ اس لیے کہ وہ آزادانہ طور پر اپنے وجود کو برقرار نہیں رکھ سکتی تھیں۔

قومیت کے عروج کا تیسرا دور وہ ہے جو سوویت نظام کے قائم ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے۔ یہ دَور اس طرح شروع ہوا کہ دنیا کے 1/6 حصے میں سرمایہ دارانہ نظام کو تباہ و برباد کر دیا گیا اور اس کے ساتھ ہی ایک قوم پر دوسری قوم کے ظلم و تشدد کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ اس کے شروع ہونے کے بعد دنیا کے جس حصے میں سوویت نظام قائم ہوا، وہاں نہ حاکم قوم کا وجود رہا اور نہ محکوم کا، نہ نوآبادیات کا سوال رہا اور نہ نوآبادیات کا استحصال کرنے والے ملک کا۔ یہ تمام سوالات اور مسئلے کم سے کم اس خطۂ ارض کے لیے جہاں سوویت نظام قائم ہے، تاریخ کے بوسیدہ طاقوں میں رکھ دیے گئے ہیں۔ اس دور میں سوویت نظام کے تحت تمام قوموں کو یکساں حقوق اور ترقی کرنے کے یکساں مواقع حاصل ہیں لیکن فی الحال یہ قومیں معاشی اور سیاسی اور تہذیبی ترقی کے لحاظ سے ایک ہی سطح پر نہیں ہیں۔ یہ نابرابری انقلاب سے پہلے کے حالات کی پیدا کی ہوئی ہے

ماضی میں تاریخی عروج کچھ اس قسم کا رہا کہ ایک قوم یعنی روسی قوم سوویت نظام میں شامل

itsurdu.blogspot.com
Scanned by CamScanner

itsurdu.blogspot.com

دوسری قوموں کے مقابلے پر سیاسی اور صنعتی لحاظ سے زیادہ ترقی یافتہ ہو گئی انقلاب کے بعد یہ قومی نابرابری گویا ورثے میں ملی۔ یہ نابرابری ایک سال میں ختم نہیں کی جا سکتی لیکن یہ ایک یقینی امر ہے کہ اسے ختم کر دیا جائے گا اور وہ اس طرح کہ معاشی، سیاسی اور تہذیبی لحاظ سے پچھڑی ہوئی قوم کی امداد اور اعانت کی جائے گی۔

قومیت سرمایہ دارانہ نظام کی پیداوار ہے

اوپر کہا جا چکا ہے کہ قومیت تاریخ کے ایک مخصوص دور میں پیدا ہوئی۔ یہ دور تھا سرمایہ داری کے عروج کا۔ قومیت اسی مخصوص دور میں پیدا ہو سکتی تھی، جس دور میں جاگیری نظام کا پیدا کردہ انتشار اور پراگندگی ختم ہو رہی تھی اور سرمایہ دارانہ نظام آگے قدم بڑھا رہا تھا۔ اسی زمانے میں مغربی یورپ کی آبادی مختلف قوموں میں تقسیم ہو رہی تھی یعنی اس زمانے میں برطانیہ، فرانس، جرمنی، اٹلی اور دیگر ملکوں کے لوگ مختلف قوموں میں بٹ رہے تھے۔ سرمایہ دارانہ نظام نے ایک ہی علاقے کے لوگوں کو انتشار اور پراگندگی کی دلدل سے نکال کر قومی یکجہتی اور جمعیت بندی کے رشتے میں منسلک کر دیا اور اس طرح مختلف قومیں وجود میں آئیں۔ مغربی یورپ میں جب قومیت تشکیل پذیر ہوئی اور مختلف قومیں وجود میں آئیں تو اس کے ساتھ ہی وہ مختلف قومیں آزاد ریاستوں میں تشکیل پذیر ہو گئیں یعنی قوموں کے

Scanned by CamScanner
itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

وجود میں آنے کا عمل اور آزاد ریاستوں کے وجود میں آنے کا عمل ساتھ ساتھ ہوا۔ برطانیہ، فرانس اور مغربی یورپ کے دوسرے ملکوں کی قومیں بیک وقت برطانیہ اور فرانس وغیرہ کی ریاستیں بھی ہیں یعنی فرانس بیک وقت ریاست بھی ہے اور قوم بھی۔ برطانیہ بیک وقت ریاست بھی ہے اور قوم بھی۔ آئرلینڈ چونکہ اس سیاسی تبدیلی کے عمل سے نہیں گزرا، اس لیے وہاں عام صورتِ حال نہیں بدل سکی دوسرے لفظوں میں آئرلینڈ بیک وقت ایک آزاد ریاست اور ایک قوم نہیں بن سکا۔ مغربی یورپ میں قوموں نے ترقی کر کے ریاستوں کی شکل اختیار کی لیکن اس کے برخلاف مشرقی یورپ میں کثیر القومی ریاستیں قائم ہوئیں یعنی وہاں کی کوئی بھی ریاست کسی ایک ہی قوم پر مشتمل نہیں تھی۔ بلکہ وہ متعدد قوموں پر مشتمل تھیں ایک ایک ریاست کے حدود میں مختلف قومیں شامل تھیں۔ اسی لیے ہم نے ایسی ریاست کو کثیر القومی ریاست کا نام دیا ہے۔ آسٹریا، ہنگری اور روس مثال کے طور پر پیش کیے جا سکتے ہیں۔ یہ پہلے ہی کہا جا چکا ہے کہ ان کثیر القومی ریاستوں کے حدود میں جو قوم سب سے زیادہ ترقی یافتہ تھی، وہ ریاست کے حدود میں بسنے والی تمام دیگر قوموں پر حاوی ہو گئی۔ آسٹریا کے جرمن سیاسی لحاظ سے سب سے ترقی یافتہ تھے۔ چنانچہ انھوں نے آسٹریا کی تمام قوموں کو ایک ریاست میں منسلک کر دیا۔ اسی طرح ہنگری کی میگیار قوم نے ہنگری کی تمام دوسری قوموں کو ایک ریاستی نظام کے تحت منظم کر دیا۔ اس لیے کہ میگیار قوم ہنگری میں بسنے والی تمام دوسری قوموں کے مقابلے میں ریاستی سیاسی نظم و نسق میں سب سے ہوشیار تھی۔ اسی طرح روس میں تمام قوموں کو ایک سیاسی نظام کے تحت لانے کا کام روسی قوم نے انجام دیا۔ روسی

قوم کی رہنمائی کی باگ ڈور طبقہ امرا کے فوجی حکام کے ہاتھوں میں تھی۔ امرا کا یہ فوجی طبقہ کافی منظم اور طاقتور تھا اور اسے مخصوص تاریخی طاقتوں نے پیدا کیا تھا۔ اسی طرح آسٹریا میں جرمن قوم، ہنگری میں میگیار قوم اور روس میں روسی قوم کے لوگ ان ریاستوں میں شامل ہو کر دوسری قوموں پر حاوی ہو گئے۔ انہیں کی رہنمائی میں وہاں کی کثیر القومی ریاستوں کی سیاسی تنظیم عمل میں آئی۔ ان کثیر القومی ریاستوں کے وجود میں آنے کا عجیب و غریب انداز صرف انھیں ملکوں میں ممکن تھا، جہاں ابھی تک جاگیری نظام ختم نہیں ہوا تھا اور جہاں سرمایہ داری ابھی ابتدائی منزلوں سے گزر رہی تھی۔ ان کثیر القومی ریاستوں میں جو متعدد قومیں شامل تھیں، وہ ابھی سرمایہ دارانہ نظام کے ترقی نہ کرنے کی وجہ سے اس قابل نہیں ہوئی تھیں کہ اپنے اندر اتحاد اور استحکام پیدا کر کے باقاعدہ اور باضابطہ قوموں کی شکل اختیار کر لیتیں۔ جاگیری نظام کے انتشار اور پراگندگی میں مبتلا ہوتے ہوئے ان کے لیے قوموں کی شکل میں منظم ہونا غیر ممکن تھا۔

لیکن آہستہ آہستہ مشرقی یورپ میں بھی سرمایہ دارانہ نظام پھیلنے لگا۔ تجارت اور ذرائع حمل و نقل میں ترقی ہوئی۔ بڑے بڑے شہر وجود میں آئے۔ ہر قوم میں اندرونی معاشی استحکام پیدا ہونے لگا۔ کثیر القومی ریاستوں کی دبی اور پچھڑی ہوئی قوموں کی خاموش اور پرسکون زندگی میں سرمایہ دارانہ نظام نے نئی لہریں پیدا کر دیں اور وہ بیدار ہو گئیں۔ ان کے اپنے قومی پریس اور اپنے قومی تھیٹر وجود میں آئے۔ قانون ساز مجلسیں بنائی گئیں۔ ان باتوں نے آسٹریا اور روس میں قومی احساسات اور قومی جذبات کو

Scanned by CamScanner
itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

بیدار کر دیا۔ مشرقی یورپ کی کثیر القومی ریاستوں میں شامل ہر قوم کا پڑھا لکھا ذہین طبقہ بیدار ہو گیا اور اس کے اندر قومی جذبہ تیزی کے ساتھ ابھرنے لگا۔ ان قوموں کے سامنے آزاد قومی ریاستیں بنانے کا نصب العین تھا اور یہ ایک بالکل فطری بات تھی لیکن اب ان قومی ریاستیں بنانے کا نصب العین تھا اور یہ ایک فطری بات تھی لیکن اب اب ان قوموں کے لیے برطانیہ، فرانس اور جرمنی کی قسم کی آزاد ریاستوں میں شکل پذیر ہونا ممکن نہیں رہا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ پہلے ہی سے کثیر القومی ریاستوں کے نظام میں منسلک تھیں اور ان پر ان کثیر القومی ریاستوں کی سب سے طاقتور قومیں حاوی تھیں۔ چنانچہ ان حکمران قوموں کا اوپر کا طبقہ ان نوزائیدہ قوموں کی آزادی اور خود مختاری کا دشمن بن گیا یعنی روس میں روسی قوم کا حکمران طبقہ روسی ریاست میں شامل تمام دیگر قوموں کی آزادی کی تحریک کا دشمن بن گیا اور آسٹریا کے جرمن وہاں کی دوسری قوموں کی دوسری قوموں کی آزادی کی تحریک کی مخالفت کرنے لگے۔ ان غالب قوی قوموں کے حکمران طبقے نے پہلے ہی سے ریاست پر قبضہ کر رکھا تھا اس لیے یہ ایک فطری بات تھی کہ اس نے ریاست کی دوسری قوموں کی خود مختاری کی مخالفت شروع کر دی غرض مشرقی یورپ کی قومیں بہت دیر کے بعد میدانِ عمل میں آئیں۔ آسٹریا میں چیکوسلاواکی، پولینڈ والوں اور دیگر قوموں نے سر اٹھایا۔ ہنگری میں کروٹ قوم نے خود مختاری کا مطالبہ کیا اور روس میں لٹوی، لتھوانی، یوکرینی، جارجیائی اور آرمینی قومیں وجود میں آئیں۔ مغربی یورپ میں آئرلینڈ کے ساتھ جو بات تھی، وہی ان قوموں کے ساتھ بھی پیدا ہوئی۔

آئرلینڈ میں قومی تحریک نے جنم لیا۔ اسی طرح مشرقی یورپ میں بھی ہر قوم نے اپنی اپنی تحریکیں قائم کیں۔ اس طرح وہ حالات پیدا ہوئے، جنھوں نے مشرقی یورپ کی نوخیز قوموں کو جدوجہد پر آمادہ کیا۔

لیکن یہاں یہ جان لینا ضروری ہے کہ یہ جدوجہد پوری کی پوری دو قوموں کے درمیان نہیں تھی بلکہ حاوی اور شکست خوردہ قوموں کے صرف اوپری حکمران طبقوں کے درمیان بھی تھی مثلاً اگر یوکرین کی قومی تحریک نے روس کی مرکزی حکومت کے خلاف تحریک چلائی تو اس تحریک میں یوکرین کے صرف اوپری اور متوسط طبقے کے لوگ شامل تھے۔ اس تحریک کی نوعیت یہ تھی کہ محکوم قوم نے اعلیٰ سرمایہ دار طبقے کے خلاف جدوجہد شروع کی۔ چیکوسلاویکی قوم اور جرمن قوم کے حکمران طبقوں کے درمیان بھی اسی قسم کی جدوجہد شروع ہوئی۔ ان قومی تحریکوں نے ایک اور شکل اختیار کی اور وہ یہ کہ محکوم قوم کے دیہی سرمایہ دار طبقے نے حکمران طبقے کے زمینداروں کے خلاف جدوجہد شروع کی۔ مثلاً یوکرین میں جو تحریک شروع ہوئی تھی، اس کی نوعیت یہی تھی۔ یوکرین کے دیہاتی سرمایہ داروں نے پولینڈ کے زمینداروں کے خلاف تحریک چلائی یا پھر ان قومی تحریکوں نے یہ شکل اختیار کی کہ محکوم قوم کے پورے سرمایہ دار طبقے نے حکمران قوم کے طبقہ امراء کے خلاف تحریک چلائی جیسے پولینڈ کے خلاف لتھوانیاں کی تحریکِ آزادی۔ روس کے خلاف یوکرین کی تحریک آزادی۔ غرض قومی تحریکوں میں اوپری سرمایہ دار طبقہ ہی آگے آگے رہتا ہے۔ محکوم قوم کا سرمایہ دار طبقہ قومی تحریک میں آگے آگے کیوں رہتا ہے اس کی وجہ جاننا کچھ مشکل

Scanned by CamScanner
itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

نہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ محکوم قوم کا نوخیز سرمایہ دار طبقہ یہ چاہتا ہے کہ حاکم قوم کے سرمایہ طبقے سے تجارتی مقابلے میں کامیاب ہو۔ دوسرے لفظوں میں وہ حاکم قوم کے مقابلے میں منڈیوں پر قبضہ کرنا چاہتا ہے، جہاں وہ اپنا مال بیچ سکے۔ اس کے لیے سب سے پہلے اس کی نظر خود اپنے ملک کی منڈیاں پر پڑتی ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ سب سے پہلے خود اپنے ملک کی منڈیاں ہمارے مال کے لیے مخصوص ہو جائیں اور حاکم قوم کے تجارتی مال ہمارے ملک میں داخل نہ ہو سکیں۔ اس طرح قومی تحریک چل پڑتی ہے۔ قومی تحریک میں تجارتی منڈیوں کا سوال ہی سب سے بنیادی اور اہم سوال ہوتا ہے۔ منڈی ہی وہ پہلی درس گاہ ہے جہاں سرمایہ دار طبقہ قومیت کا سبق پڑھتا ہے۔

سامراجی ریاستیں

یورپ میں جب سرمایہ دارانہ نظام نے ترقی کی تو سرمایہ دار ملکوں کو نئی نئی منڈیوں کی ضرورت محسوس ہوئی اور صنعتی اشیاء پیدا کرنے کے لیے کچے مال اور ایندھن کی تلاش شروع ہوئی۔ پھر سرمایہ دار ملکوں سے دوسرے ملکوں میں سرمایہ جانے لگا اور اسے نئے نئے ملکوں میں کاروبار اور صنعت میں لگایا جانے لگا۔ اسی کے ساتھ سرمایہ دار ملکوں کو ضرورت محسوس ہوئی کہ نئے ملکوں کو جانے والے سمندری اور خشکی کے راستوں کی حفاظت کی جائے۔ اس طرح مغربی یورپ کی پرانی قومی ریاستوں نے نئے علاقوں پر قبضہ کیا اور وہ کثیر القومی ریاستوں میں بدل گئیں، جیسا کہ ہمیشہ کثیر القومی ریاستوں کے اندر ہوتا ہے۔ ان ریاستوں میں بھی ایک قوم پر دوسری قوم کا ظلم و تشدد شروع ہوا اور ریاست کے اندر ہی مختلف قوموں کے درمیان تصادم ہونے لگا۔ برطانیہ، فرانس،

itsurdu.blogspot.com
Scanned by CamScanner

itsurdu.blogspot.com

جرمنی اور اٹلی اسی قسم کی کثیر القومی ریاستوں کی مثال کے طور پر پیش کیے جا سکتے ہیں دوسری طرف جو پرانی کثیر القومی ریاستیں موجود تھیں مثلاً روس، آسٹریا اور ہنگری ——— انھوں نے پہلے سے بھی زیادہ شدت کے ساتھ اپنے ریاستی نظام کو برقرار رکھنا اور کمزور قوموں کو بدستور محکوم بنائے رکھنے کی کوشش کی۔ اس کوشش کے علاوہ انھوں نے اپنی سرحدوں کو بھی وسیع کرنا شروع کیا اور نئی قوموں کو بدستور محکوم بنانے پر آمادہ ہوئے مثلاً زار کے زمانے کے روس نے اپنے حدود کو وسیع کر کے اپنی ہمسایہ ریاستوں ترکی اور ایران کے لیے خطرہ پیدا کیا۔ اس طرح قومیت کا مسئلہ اور بھی پھیل گیا اور آخر میں وہ نوآبادیات کے عام مسئلے کا ایک حصہ بن گیا۔ پہلے تو یہ تھا ایک قوم کے دوسری قوم کے استحصال اور اس پر تشدد کا سوال کسی ریاست کا اندرونی سوال تھا لیکن اب اس کی شکل بین الاقوامی ہو گئی اور وہ اس طرح کہ چونکہ ہر بڑی سامراجی طاقت کمزور قوموں کو محکوم بنانا چاہتی تھی، اس لیے خود ان سامراجی طاقتوں کے درمیان باہمی تصادم شروع ہو گیا۔ اس طرح پہلے ایک قوم پر دوسری قوم کی حکومت کا مسئلہ بڑھتے بڑھتے اور پھیلتے پھیلتے ایک ایسی منزل پر آ پہنچا جب دنیا کی مختلف طاقتوں میں اسی مقصد کے لیے جنگ شروع ہو گئی جس چیز کی حدیں پہلے ریاست کی سرحدوں تک محدود تھیں، وہی اب بین الاقوامی تصادم اور عالمگیر جنگ میں بدل گئیں

قوموں کے حق خود ارادیت سے کیا مطلب ہے؟

خود ارادیت کا مطلب یہ ہے کہ ہر قوم اپنے مستقبل کا تعین خود کرے اور کوئی دوسری قوم بزور بازو دخل انداز ہونے کی کوشش نہ کرے۔ ایک قوم دوسری قوم کے تعلیمی اور دیگر اداروں کو تباہ و برباد نہ کرے۔ اس کے رسوم و رواج کو توڑنے کی کوشش نہ کرے۔ اس کی زبان کی اشاعت میں رکاوٹیں نہ ڈالے اور اس کے حقوق پر پابندیاں عاید نہ کرے۔

حق خود ارادیت سے مراد یہ ہے کہ ہر قوم اپنی زندگی کی ترتیب و تعمیر خود اپنی خواہش اور ارادے کے مطابق کرے۔ آزادی اور خود مختاری کی بنیاد پر اپنی قومی زندگی کی عمارت کھڑی کرے۔ اگر دوسری قوموں کے ساتھ مل کر وفاق قائم کرے تو خود اپنی خواہش سے کسی دباؤ کے تحت نہیں، پھر جب چاہے دوسری قوم سے مکمل علیحدگی اختیار کرے۔ یہ ہیں حق خود ارادیت

itsurdu.blogspot.com
Scanned by CamScanner

itsurdu.blogspot.com

کے عناصر۔

حقِ خود ارادیت کے سلسلے میں سوشلسٹوں اور سرمایہ دار طبقوں کے طرزِ عمل اور رویے
میں جو فرق ہے، اس کی وضاحت اس طرح کی جا سکتی ہے۔ سوشلسٹ یہ چاہتے ہیں کہ غیر قوم
کے ظلم و تشدد کو ختم کر دیا جائے۔ قوموں کے درمیان جو دشمنی کے اسباب پائے جاتے ہیں،
ان کو ختم کر کے قومی دشمنی کی شدت میں ہر ممکن کمی کی جائے۔ برخلاف اس کے سرمایہ دار طبقہ
دوسری قوموں سے دشمنی کو اور تیز کرنے اور قومی تحریک کو طویل اور شدید بنانے کی کوشش
کرتا ہے۔ سوشلسٹ قوموں کے باہمی تصادم کی شدت کو کم کرتے ہیں۔ سرمایہ طبقہ اسے
اور تیز کر دیتا ہے۔ یہ ہے حقِ خود ارادیت کی تحریک کے سلسلے میں سرمایہ دار اور مزدور طبقے
کی پالیسی کا فرق۔

ہر قوم کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنی زندگی کی تعمیر بغیر کسی دوسری قوم کے دباؤ اور
زبردستی کے آزادانہ طور پر خود اپنی خواہش اور آئیڈیل کے مطابق کرے یعنی انھیں طریقوں
کے مطابق جنھیں وہ اپنے لیے موزوں سمجھتی ہے، لیکن اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ
اس سلسلے میں اس قوم کو دوسری قوموں کے حقوق پر حاوی ہونے کا حق حاصل نہیں ہے
سوال یہاں یہ پیدا ہوتا ہے کہ کوئی قوم کس طرح اپنی زندگی کی ترتیب کرے اور اپنے دستور
حکومت کو ایسی شکل عطا کرے کہ قوم کی اکثریت کے حقوق اور اس قوم کے مزدور طبقے کے
حقوق کا تحفظ ہو سکے۔ کوئی قوم اگر خود اپنی خواہش کے مطابق اپنی زندگی کی ترتیب و تعمیر کرتی
ہو تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ اس قوم کا کم تعداد اعلیٰ طبقہ اکثریت اور مزدور طبقے

کے حقوق کو اپنے مفاد کے خاطر پامال کرنے کی کوشش کرے۔

اب حقِ علیحدگی کا سوال لیجیے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر قوم کو علیحدگی کا
حق حاصل ہونا چاہیے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر حال میں وہ علیحدہ ہو کر ہی رہے جہاں
تک کسی قوم کی اکثریت یعنی اس کے محنت کش طبقے کے مفاد کا سوال ہے، یہ بالکل طے شدہ
امر ہے کہ ہر حال میں کسی قوم کی علیحدگی مفید نہیں ہوتی۔ مثلاً اگر ماورائے کاکیشیا کے تاتار حیثیت
قوم اپنی مجلسِ قانون ساز میں جمع ہوں اور اپنے امیر بیگوں اور ملّاؤں کے اثر میں آ کر یہ فیصلہ
کر بیٹھیں کہ سوویت اشتراکی ریاست سے علیحدگی اختیار کر لی جائے اور انقلاب سے پہلے کا
پرانا نظام دوبارہ قائم کر دیا جائے تو یہ فیصلہ تاتار قوم کے محنت کش طبقے کے لیے ہرگز
مفید ثابت نہیں ہوگا۔ حالانکہ حقِ خود ارادیت کے مفہوم کے مطابق ان کو یہ فیصلہ کرنے
کا پورا پورا حق حاصل ہے۔ ایسی حالت میں سوشلسٹوں کا رویہ کیا ہونا چاہیے۔ ظاہر ہے
کہ وہ یہ سوچ کر کہ قوم اپنا حقِ خود ارادیت استعمال میں لا رہی ہے، خاموش اور الگ تھلگ
نہیں بیٹھ سکتے۔ وہ ہرگز اس صورتِ حال کو برداشت نہیں کر سکتے کہ بیگ صاحبان اور
ملّا صاحبان قومی مسئلے کو حل کرنے کے لیے عوام کی رہنمائی اپنے ہاتھ میں لے لیں سوشلسٹوں
کا فرض ہوگا کہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے کی بجائے حالات میں دخل انداز ہونے
کی کوشش کریں اور قوم کے ارادے پر اثر انداز ہو کر اسے ایک ایسے راستے پر لے جائیں جس
سے محنت کش طبقے کے مفاد کی حفاظت ہو سکے۔ انھیں ایسے موقع پر قومی مسئلے کو حل کرنے
کے لیے ایک ایسے مخصوص پلان کے ساتھ میدانِ عمل میں آنا چاہیے جو تاتاری عوام کے

Scanned by CamScanner
itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

لیے سب سے زیادہ مفید ہو۔ ایسے موقع پر انہیں اس بات کا تعین کرنا ہوگا کہ کون سی صورت محنت کش عوام کے لیے سب سے مفید ثابت ہوگی۔ ممکن ہے اندرونی خود مختاری یا وفاق کی کوئی مخصوص صورت محنت کش عوام کے نقطۂ نظر سے مکمل علیحدگی کے مقابلے میں زیادہ مفید ثابت ہو یا پھر ایسے حالات بھی ہو سکتے ہیں کہ محنت کش عوام کی حفاظت کے لیے مکمل علیحدگی کا راستہ سب سے کارآمد ثابت ہو۔ غرض ان باتوں کا فیصلہ ہر قوم کے مخصوص تاریخی حالات پر منحصر ہے۔ وہ مخصوص تاریخی حالات ساکن اور جامد نہیں ہوتے بلکہ دنیا کی ہر شے کی طرح مسلسل بدلتے رہتے ہیں۔ چنانچہ آج ہم جو فیصلہ کریں گے ممکن ہے آگے چل کر وہ بالکل غیر موزوں اور غلط ثابت ہو۔ قومی مسئلے کا حل اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہم تاریخی حالات کا ان کی ٹھہری ہوئی شکل میں نہیں بلکہ بدلتی ہوئی شکل میں مطالعہ کریں۔ کوئی قوم کس طرح اپنی زندگی کی ترتیب کرے اور اس کے دستورِ حکومت کی شکل کیا ہو؟ ان مسائل کا حل اس قوم کے معاشی سیاسی اور تہذیبی حالات میں ہی مل سکتا ہے۔

غرض جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے قوموں کی حقِ علیحدگی کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی قوم ہر حال میں علیحدہ ہو کر ہی رہے۔ واقعی علیحدہ ہونے کا سوال مزدوروں کی جماعت پر چھوڑ دینا چاہیے۔ مزدوروں کی جماعت ہر قوم کے مخصوص حالات کے تحت یہ فیصلہ کرے کہ اس قوم کو علیحدہ ہو جانا چاہیے یا نہیں۔ جب ہم محکوم قوموں کے حقِ علیحدگی کو تسلیم کرتے ہیں اور یہ مانتے ہیں کہ ہر قوم کو اپنا مستقبل متعین کرنے کا حق حاصل ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم اسی وقت یہ فیصلہ کر لیتے ہیں کہ فلاں قوم روسی ریاست سے یقیناً اور فوری

طور پر علیحدہ ہو جائے۔ ہم ہر قوم کے حقِ علیحدگی کو تسلیم کرتے ہیں لیکن ہم زبردستی کسی قوم کو علیحدہ ہو جانے پر مجبور نہیں کر سکتے۔ ہر قوم کو علیحدگی کا حق حاصل ہے لیکن اس بات کا فیصلہ خود ہی قوم کر سکتی ہے کہ مخصوص حالات کے تحت وہ واقعی علیحدہ ہو جانا چاہتی ہے یا نہیں۔ ہمیں یہ اختیار حاصل ہے کہ مزدور طبقے کے مفاد کا خیال کرتے ہوئے علیحدگی کے خلاف یا اس کی حمایت میں اپنی آواز بلند کریں۔ ہر قوم کے ساتھ علیحدہ علیحدہ طور پر یہ فیصلہ کیا جائے کہ اس قوم کو اس کے مخصوص تاریخی حالات کے تحت علیحدگی اختیار کرنی چاہیے یا نہیں۔ چنانچہ حقِ علیحدگی کو تسلیم کرنا اور بات ہے اور ہر حال میں لازمی طور پر کسی قوم کا علیحدہ ہو جانا اور بات۔ ان دو باتوں کو گڈمڈ نہیں کرنا چاہیے۔ مثلاً میں (یعنی اسٹالن) ذاتی طور پر ماورائے کاکیشیا کی علیحدگی کی مخالفت کروں گا اس لیے کہ ایسے موقع پر میرے ذہن میں مندرجہ ذیل باتیں ہوں گی۔ روس ترقی کی ایک بلند سطح پر پہنچ چکا ہے اور ماورائے کاکیشیا بہت پچھڑا ہوا ہے۔ پھر میں یہ بھی دیکھنے کی کوشش کروں گا کہ ماورائے کاکیشیا میں مزدور طبقے کی جدوجہد کس حد تک کامیاب ہو سکی ہے۔ غرض ماورائے کاکیشیا کی علیحدگی کے سوال پر میرے ذہن میں یہ تمام باتیں ہوں گی لیکن اگر پھر بھی ماورائے کاکیشیا کی قومیں علیحدگی کا فیصلہ کریں تو وہ یقیناً علیحدہ ہو کر رہیں گی اور ہماری طرف سے ان کی مخالفت نہ ہوگی۔

itsurdu.blogspot.com
Scanned by CamScanner

itsurdu.blogspot.com

قومی تحریکیں

محکوم قوم کا سرمایہ دار طبقہ ہر طرف کے دباؤ سے مجبور ہو کر قومی تحریک شروع کرتا ہے۔ وہ اپنے ہم وطنوں سے اپیل کرتا ہے اور مادرِ وطن کے نعرے لگاتا ہے۔ وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کے اغراض بحیثیت مجموعی پوری قوم کے اغراض ہیں۔ یہ طبقہ اپنے لیے یا اپنی مقصد براری کے لیے اپنے ہم وطنوں کی اعانت سے ایک تحریک اور ایک جماعت پیدا کرتا ہے اور یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کا مقصد مادرِ وطن کو فائدہ پہنچانا ہے۔ عوام بھی سرمایہ دار طبقے کی آواز پر کان دھرتے ہیں اور قومی جھنڈے تلے جمع ہو جاتے ہیں۔ اوپر سے جتنا بھی ظلم و دباؤ ان پر ہوتا ہے اُسی قدر ابھرتے ہیں اور ان کے اندر بے چینی پیدا ہوتی ہے۔ اس طرح قومی تحریک چل پڑتی ہے۔ قوم کا جتنا بڑا حصہ دوسرے لفظوں میں مزدور اور کسانوں کی جتنی بڑی تعداد قومی تحریک میں شامل ہوتی ہے اُسی قدر وہ قومی تحریک مضبوط ہوتی ہے۔

مزدور طبقے کا سرمایہ داروں کی قومی تحریک میں شامل ہونا اِس بات پر منحصر ہے کہ اِس ملک کے سماج میں طبقاتی اختلافات کس حد تک ترقی کر سکے ہیں۔ مزدور طبقے میں کتنا طبقاتی شعور پیدا ہوا ہے اور وہ کس حد تک منظم ہیں۔ جس ملک کے مزدور طبقے کا طبقاتی شعور بہت تیز ہو چکا ہوتا ہے، وہاں اس کی اپنی الگ جماعت اور الگ جھنڈا ہوتا ہے اسے سرمایہ دار طبقے کے جھنڈے تلے جمع ہونے کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی۔

جہاں تک کسانوں کا تعلق ہے، قومی تحریک میں ان کے ساتھ شامل ہونے کا انحصار اِس بات پر ہے کہ ان پر کس قسم کا دباؤ اور تشدد کیا جا رہا ہے۔ اگر ان پر دباؤ زمین کے سلسلے میں ہے، جیسا کہ آئرلینڈ میں تھا تو کسانوں کی بہت بڑی تعداد فوراً قومی تحریک میں شامل ہوتی ہے۔ اِس کے برخلاف جارجیا کی مثال لے لیجیے۔ جارجیا میں روسی زمیندار طبقہ یا کوئی روسی اعلیٰ سرمایہ دار طبقہ موجود نہیں تھا جس کے خلاف وہاں کی قومی تحریک صف آرا ہوتی۔ اِسی لیے جارجیا میں روس کے خلاف کوئی خاص طور پر قومی تحریک نہیں پائی جاتی تھی لیکن جارجیا میں آرمینیا کے خلاف ضرور تحریک پائی جاتی تھی۔ اِس کی وجہ یہی ہے کہ جارجیا میں آرمینیا کا اعلیٰ سرمایہ دار طبقہ موجود تھا جس نے وہاں کے غیر مستحکم اور چھوٹے سرمایہ دار طبقے کو دبا رکھا تھا۔

انھیں عناصر کا سہارا لے کر یعنی مزدوروں اور کسانوں اور سرمایہ دار طبقے کا سہارا لے کر قومی تحریک آگے بڑھتی ہے پھر یا تو یہ ایک عوامی قومی تحریک کی شکل اختیار کر لیتی ہے، جیسا کہ آئرلینڈ اور گلیشیا میں ہوا یا چھوٹے چھوٹے جھگڑوں میں بدل جاتی ہے جو مسلسل طور پر واقع ہوتے رہتے ہیں۔ مؤخر الذکر صورت میں تحریک خراب ہو کر طرح طرح کے سائن بورڈ کے جھگڑوں

itsurdu.blogspot.com
Scanned by CamScanner

itsurdu.blogspot.com

پر آکر ختم ہو جاتی ہے، جیسا کہ بوہیمیا کے کچھ قصبوں میں ہوا۔ ہر جگہ قومی تحریک کی ماہیت اور نوعیت یکساں نہیں ہوتی۔ اس کی ماہیت کا اندازہ لگانے کے لیے ہمیں ان مطالبوں پر نظر ڈالنی چاہیے جو قومی تحریک چلانے والے پیش کرتے ہیں جیسے آئرلینڈ کی قومی تحریک زرعی اور دیہی مطالبوں پر مبنی تھی۔ بوہیمیا میں قومی تحریک چلانے والوں کا مطالبہ زبان سے تعلق رکھتا تھا۔ بعض جگہ قومی تحریک کا مقصد شہری مساوات اور مذہبی آزادی حاصل کرنا تھا۔ بعض جگہ قومی تحریک چلانے والے صرف یہ مطالبہ پیش کرتے ہیں کہ سرکاری عہدوں پر خود ہمارے حکام اور افسر مقرر کیے جائیں اور خود ہماری اسمبلی قائم کی جائے۔ مطالبوں کا مختلف اور الگ الگ ہونا ان مختلف خصوصیات کو ظاہر کرتا ہے جن سے عام طور پر کوئی قوم متصف ہوتی ہے مثلاً زبان، علاقہ وغیرہ وغیرہ۔

اوپر جو کچھ کہا گیا ہے، اس سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی ہو گی کہ سرمایہ دارانہ نظام کی ترقی کے زمانے میں جو قومی تحریک قائم ہوتی ہے، وہ دراصل سرمایہ دار طبقوں کی باہمی جنگ ہوتی ہے یعنی ایک سرمایہ دار طبقہ دوسرے سرمایہ دار طبقے کے اقتدار کو ختم کرنا چاہتا ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ محکوم سرمایہ دار طبقہ جو حاکم سرمایہ دار طبقے کے خلاف جد و جہد شروع کرتا ہے وہ اپنی قوم کے مزدور طبقے کو بھی قومی تحریک کے اندر کھینچ لاتا ہے۔ ایسے مواقع پر یوں معلوم ہونے لگتا ہے کہ وہ تحریک صحیح معنوں میں پوری قوم کی تحریک ہے نہ کہ صرف سرمایہ دار طبقے کی لیکن ایسا صرف باہر سے معلوم ہوتا ہے۔ باہر سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قومی تحریک میں قوم کے تمام طبقے شامل ہیں لیکن دراصل وہ قومی تحریک ہمیشہ

سرمایہ دار طبقے ہی کی تحریک ہوتی ہے اور اس تحریک سے مخصوص طور پر سرمایہ دار طبقے ہی کو فائدہ پہنچتا ہے۔

لیکن یہاں پر ہمارا یہ مطلب نہیں ہے کہ قومی تحریک سے مزدور طبقہ کوئی ہمدردی نہ رکھے یہ ایک بالکل واضح بات ہے کہ محکوم قوم کے مزدور طبقے کو اپنی قوم کے سرمایہ دار طبقے کے ساتھ مل کر حاکم قوم کے سرمایہ دار طبقے کے ظلم و تشدد کے خلاف ضرور جد و جہد کرنی ہے اس لیے کہ محکوم قوم کے سرمایہ دار طبقے پر حاکم قوم کا جتنا ہی تشدد ہوتا ہے اتنا ہی محکوم قوم کا مزدور طبقہ بھی متاثر ہوتا ہے۔ آمد و رفت پر پابندی لگانا، ووٹ دینے کے حق سے محروم رکھنا، قومی زبان کو ختم کر دینے کی کوشش کرنا، قومی درسگاہوں پر پابندیاں لگانا، تشدد اور دباؤ کی دوسری شکلیں اختیار کرنا ـــــ یہ تمام مظالم جو حاکم قوم کی طرف سے ڈھائے جاتے ہیں، ان سے محکوم قوم کا سرمایہ دار طبقہ بھی متاثر ہوتا ہے اور مزدور طبقہ بھی۔ ان پابندیوں سے محکوم قوم کے مزدور طبقے کی ذہنی ترقیوں میں رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں تاتار یا یہودی مزدوروں کی دماغی صلاحیتیں اسی وقت پھل پھول سکتی ہیں، جس وقت انھیں اپنے جلسوں اور تقریروں میں اپنی مادری زبان کے استعمال کرنے اور خود اپنی درسگاہیں قائم کرنے کی اجازت دی جائے۔

غیر قوم کے دباؤ سے مزدور طبقے کے لیے ایک اور خطرہ پیدا ہوتا ہے جب پوری قوم پر کسی غیر قوم کا ظلم و تشدد ہو رہا ہوتا ہے تو سب کی توجہ قوم کے اندرونی سماجی مسائل اور طبقاتی جد و جہد کے سوالات سے ہٹ کر قومی سوالات میں الجھ کر رہ جاتی ہے۔ تمام لوگوں کی توجہ مخصوص طور پر ان مسائل میں الجھ جاتی ہے جن کا تعلق مزدور اور سرمایہ دار دونوں سے ہوتا

Scanned by CamScanner
itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

ہے۔ مزدور طبقہ غیر قوم کے خلاف جدوجہد کے سلسلے میں یہ بھول جاتا ہے کہ ہمیں خود اپنی قوم کے سرمایہ دار طبقے سے بھی جنگ کرنی ہے۔ ایسی فضا میں سرمایہ دار طبقے کا یہ جھوٹا پروپیگنڈہ کامیاب ہوتا ہے کہ مزدور اور سرمایہ دار طبقے کے مفاد میں ہم آہنگی اور مطابقت ہے۔ مزدور طبقے کے اپنے خاص مفادات پر پردہ پڑ جاتا ہے اور مزدور کو ذہنی اعتبار سے غلام بنا لیا جاتا ہے۔ ایسی فضا میں تمام قوموں کے مزدور طبقے کو باہم متحد کرنے میں بڑی رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ پولینڈ کے مزدوروں کے خاصے بڑے حصے کے دماغ پر ابھی تک وہاں کے سرمایہ دار قوم پرستوں کا قبضہ ہے اور وہ ابھی تک بین الاقوامی مزدور تحریک سے علیحدہ ہیں۔ اس کی خاص وجہ یہی ہے کہ غیر قوموں نے ایک طویل مدت تک پولینڈ پر حکومت کی ہے اور وہاں ایسی فضا تیار کر دی ہے کہ غیر قوموں کے ظلم و تشدد اور محکومی کے خلاف وہاں کے تمام طبقے متحد ہو گئے ہیں اور وہاں کے مزدور قومی جدوجہد کے سلسلے میں یہ بھول گئے ہیں کہ ہمیں خود پولینڈ کے سرمایہ داروں کے خلاف بھی جنگ کرنی ہے۔ اس طرح وہاں کے مزدوروں کے دماغ پر سرمایہ دار قوم پرستوں کا قبضہ ہے۔ اس محکومی کی حالت میں خود مزدور طبقے کا سراسر نقصان ہے۔ اس لیے انھیں بھی غیر ملکی حکومت کے خلاف پوری جدوجہد کرنی چاہیے۔

مزدوروں کا مقصد یہ ہے کہ تمام دنیا کے مزدور ایک واحد بین الاقوامی جماعت میں پورے طور پر متحد اور منسلک ہو جائیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ پورا مزدور طبقہ جلد از جلد مکمل طور پر سرمایہ دار ذہنی محکومی سے آزاد ہو جائے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ہر ملک کے مزدور غیر قوموں کے ظلم و تشدد کے خلاف جنگ کریں لیکن اس کے ساتھ ہی مزدور طبقے کا یہ بھی فرض ہے کہ سرمایہ دار طبقے کے مقابلے پر مختلف قوموں کو ایک دوسرے کے خلاف ابھارنے کی پالیسی اختیار نہ کریں۔

قومی تحریکوں کا انقلابی کردار

اگر کوئی قومی تحریک غیر ملکی سامراج کے خلاف جدوجہد کر رہی ہے تو اس کے انقلابی ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس میں مزدور طبقے کے لوگ بھی شامل ہوں۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ تحریک کسی انقلابی یا جمہوری پروگرام کے مطابق چل رہی ہو اور نہ یہ ضروری ہے کہ وہ تحریک جمہوری بنیادوں پر قائم ہو۔ مثلاً امیرِ افغانستان اس وقت[1] اپنے ملک کی آزادی کے لیے برطانوی سامراج کے خلاف جدوجہد کر رہا ہے۔ امیر اور اس کے ساتھیوں کے خیالات شاہ پسندانہ ہیں اور وہ جمہوریت کے قیام کے بجائے شخصی حکومت کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں لیکن اس سے قطع نظر ہم اس جدوجہد کو انقلابی جدوجہد سمجھتے ہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ اس سے برطانوی سامراج کی جڑیں کمزور ہوتی ہیں اور یہ امید پیدا ہوتی ہے کہ افغانستان کی

---

[1] اس سے مراد اعلیٰ حضرت امیر امان اللہ خاں ہیں۔

itsurdu.blogspot.com
Scanned by CamScanner

itsurdu.blogspot.com

آزادی کی تحریک چاہے بادشاہی کے ہاتھ میں کیوں نہ ہو، کامیاب ہو کر برطانوی سامراج کو کمزور کرے گی لیکن دوسری طرف کرنسکی، رینوڈیل، پچرنوف، ڈائن، ہنڈرسن اور کلائنٹ وغیرہ جیسے جمہوریت پسندوں، اشتراکیوں اور انقلابیوں کی مثالیں لے لیجیے۔ ان لوگوں نے جو جدوجہد کی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سامراج کی فتح ہوئی اور اس کے قدم پہلے سے بھی زیادہ مضبوط ہو گئے۔ چنانچہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کے جمہوریت پسند اور اشتراکیت پسند ہونے کے باوجود تحریک ہرگز انقلابی نہیں تھی۔ مصر کے تاجر اور سرمایہ دار اہلِ قلم اپنے ملک کی آزادی کے لیے جو جدوجہد کر رہے ہیں، وہ انقلابی ہے۔ اس لیے کہ اس کی کامیابی میں برطانوی سامراج کی تباہی مضمر ہے۔ اگرچہ مصر کی آزادی کی تحریک سرمایہ دار طبقے کے لوگ چلا رہے ہیں جو اشتراکیت کے سخت مخالف ہیں۔ اس کے برخلاف برطانیہ کی مزدور (لیبر) حکومت مصر کو دائمی طور پر محکوم رکھنے کے لیے جو جدوجہد کر رہی ہے، وہ سراسر ترقی دشمنی اور رجعت پرستی پر مبنی ہے۔ اگرچہ برطانیہ کی مزدور حکومت کے ممبروں کا تعلق مزدور طبقے سے ہے، جو اشتراکیت کا بھی حامی ہے۔ لینن نے کہا تھا کہ قومی تحریکوں کے بارے میں یہ ثابت کرنے کے لیے کہ وہ انقلابی ہے یا غیر انقلابی، ہمیں چاہیے کہ ہم محض ان کی ظاہری جمہوریت کو نہ دیکھیں بلکہ ان کو اس نظر سے دیکھیں کہ سامراجی حکومتوں کے خلاف ساری دُنیا میں جو جنگ جاری ہے، اس میں ان تحریکوں سے مدد ملتی ہے یا نہیں اور اُسے فائدہ پہنچتا ہے یا نہیں۔ اگر کسی قومی تحریک سے سامراج کے خلاف عالمگیر تحریک میں مدد ملتی ہے تو وہ قومی تحریک یقیناً انقلابی ہے اور اگر نقصان پہنچتا ہے تو غیر انقلابی۔ چاہے اس قومی

تحریک کی باگ ڈور اشتراکیوں اور جمہوریوں کے ہاتھوں میں ہو یا سرمایہ داروں اور شاہ پسندوں کے ہاتھوں میں۔ ہم کسی قومی تحریک کو پوری دنیا کے عام نقشے سے الگ نہیں کر سکتے ہیں چاہیے کہ ہر قومی تحریک کو عالمگیر صورت کے پس منظر میں رکھ کر اس کے بارے میں رائے قائم کریں۔

itsurdu.blogspot.com
Scanned by CamScanner

itsurdu.blogspot.com

سرمایہ داری اور قومی مسئلہ

گزشتہ صدی میں سرمایہ دارانہ نظام کے عروج سے دنیا میں ایک زبردست تبدیلی پیدا ہوئی۔ اس نظام کی ترقی سے اشیاء کی پیدائش اور تجارتی لین دین کے ذرائع پر بین الاقوامی نگرانی قائم کرنے کا رجحان پیدا ہوا۔ اس سے پہلے قومیں زیادہ تر ایک دوسرے سے الگ تھلگ رہ کر زندگی گزارتی تھیں لیکن وہ بات ختم ہوئی اور دنیا کی قومیں معاشی رشتوں میں منسلک ہو گئیں۔ بڑے بڑے علاقے واحد علاقوں میں مدغم ہونا شروع ہوئے۔ دنیا کی منڈیوں کی توسیع اور ترقی ہوئی اور ہر ملک کا تجارتی مال ملکی حدود سے باہر نکل کر دور دراز ملکوں میں پہنچنے لگا۔ بری اور بحری راستوں سے آمد و رفت ہونے لگی۔ سرمایہ دار ملکوں سے سرمایہ نکل کر دوسرے ملکوں میں پہنچنے لگا۔ ان تمام چیزوں نے مل کر بین الاقوامیت کے رجحان کو آگے بڑھایا اور مختلف قوموں کو بین الاقوامی تقسیم محنت اور عالمگیر امداد باہمی کے بندھنوں میں جکڑ دیا۔ بین الاقوامی

تقسیم محنت سے مراد یہ ہے کہ اگر انگلستان پہلے اپنی ضروریات کی تمام چیزیں خود پیدا کر لیتا تھا تو اب یہ ہو گیا کہ انگلستان زیادہ تر صرف صنعتی اشیاء پیدا کرنے لگا اور ان اشیاء کو ہندوستان میں بیچ کر یہاں سے اپنی ضروریات کی دوسری چیزیں خریدنے لگا۔ اسی طرح ہندوستان اپنا کچا مال اور غذا انگلستان میں بھیج کر وہاں سے اپنی ضروریات کی صنعتی چیزیں خریدنے لگا۔ اسی طرح اور ملکوں کے ساتھ بھی ہوا۔

اس بین الاقوامی رجحان کے دو پہلو تھے۔ ایک اچھا اور دوسرا بُرا۔ اچھا پہلو تو یہ تھا کہ پیدائش اشیاء میں عظیم ترقی ہوئی اور انسان نے اپنے آرام اور ضرورت کی چیزیں پیدا کرنے کی قوت اور صلاحیت پہلے سے کہیں زیادہ بڑھا لی۔ قوموں کے علیحدہ علیحدہ رہنے کا رجحان دور ہوا۔ مختلف قوموں کے مفاد میں جو اختلاف اور تضاد موجود تھا، وہ ختم ہوا اور ایک قوم دوسری قوم کی حاجت مند بن گئی۔ یہ تمام باتیں اچھے پہلو کو ظاہر کرتی ہیں اس لیے کہ اس سے مستقبل کے عالمگیر اشتراکی طرز کے معاشی نظام کے لیے زمین تیار ہوتی ہے۔

لیکن اس بین الاقوامی رجحان کا بُرا پہلو بھی ہے جس کی تشریح یوں ہے۔ یہ رجحان جس طرز سے اور جن مخصوص شکلوں میں پیدا ہوا اور آگے بڑھا، وہ کچھ اچھی نہیں تھیں اور وہ اس لیے کہ یہ سب کچھ جس دور میں ہوا، وہ سرمایہ داری کا دور تھا۔ اگر قومیں ایک دوسرے کے قریب آئیں اور مختلف علاقے معاشی لحاظ سے آپس میں منسلک اور متحد ہوئے تو ایسے زمانے میں جو سرمایہ داری کے عروج اور ارتقاء کا زمانہ تھا۔ قوموں میں تعاون اور اشتراکِ عمل ضرور قائم ہوا، لیکن افسوس کہ وہ قومیں مساوی حیثیت کی مالک نہیں تھیں چنانچہ اس تعاون اور اشتراکِ عمل کے سلسلے میں کچھ قوموں پر دوسری قوموں کی حکومت قائم ہو گئی۔

itsurdu.blogspot.com
Scanned by CamScanner
itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

زیادہ ترقی یافتہ قوموں نے پچھڑی ہوئی قوموں کو لوٹنا کھسوٹنا شروع کیا۔ یہ تھی بین الاقوامیت اور مختلف قوموں کے اشتراک کی وہ مخصوص شکل جو سرمایہ داری کے زمانے میں وجود میں آئی۔ نوآبادیات کا اچھی طرح استحصال کیا گیا اور ان کو طاقت ور سرمایہ دار ریاستوں نے زبردستی اپنے علاقے میں شامل کر لیا۔ ایک قوم کا دوسری قوم پر ظلم شروع ہوا اور نابرابری پیدا ہوئی۔ سامراجی ظلم و تشدد اور من مانی حکومت قائم ہوئی۔ نوآبادیات کو غلام بنایا گیا۔ ایک قوم پر دوسری قوم کی حکومت قائم ہوئی۔ "غیر متمدن" قوموں پر حکومت کرنے کے لیے "متمدن" قوموں کے درمیان مقابلہ شروع ہوا۔ یہ تھیں وہ شکلیں جو قوموں کے معاشی تعلقات نے اختیار کیں۔ ان اسباب کی بنا پر ہم دیکھتے ہیں کہ قومیں ایک دوسرے سے قریب ضرور آئیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ جن تشدد آمیز شکلوں میں وہ ایک دوسرے کے قریب آئیں، ان کو تباہ و برباد کر دینے کا رجحان پیدا ہوا یعنی نوآبادیات کے ستم رسیدہ عوام اور محکوم قوموں نے سامراجی غلامی سے نجات پانے کے لیے جد و جہد شروع کی۔ یہ رجحان اس حد تک تو اچھا ہے کہ دنیا کی قومیں جس تشدد آمیز انداز سے ایک دوسرے کے قریب لائی گئی ہیں، وہ ختم ہو۔ محکوم قوموں اور نوآبادیات کے عوام سامراج کے خلاف بغاوت کریں اور اس کے بعد قومیں زور بازو یا استحصال کے ذریعے نہیں، بلکہ مساوات کی بنیاد پر اور خود اپنی خواہش سے ایک دوسرے کے قریب آئیں۔ یہ رجحان مستقبل کے عالمگیر اشتراکی معاشی نظام کے لیے نفسیاتی حالات اور فضا پیدا کر رہا ہے۔

ان دو مخصوص رجحانات کے درمیان تصادم کی صورت پیدا ہو رہی ہے۔ کثیر القومی

سامراجی ریاستوں مثلاً برطانیہ اور فرانس کی جو تاریخ رہی ہے، وہ اس قسم کے تصادم کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ یہ تصادم اور تضاد اس وقت تک دور نہیں ہو سکتا، جب تک سرمایہ دارانہ نظام موجود ہے۔ اسی وجہ سے یہ کثیر القومی سامراجی ریاستیں داخلی طور پر دیوالیہ پن اور ایک زبردست اندرونی کمزوری کی شکار ہیں۔ ان کے اندر کبھی پائداری نہیں آ سکتی۔ ان کے اس بنیادی تضاد سے جو نتائج پیدا ہو رہے ہیں، وہ یہ ہیں کہ ہر سرمایہ دار کثیر القومی ریاست کے اندر تصادم اور جھگڑے موجود ہیں۔ پھر سرمایہ دار ریاستیں باہمی طور پر جنگ آزما ہیں۔ پرانی نوآبادیاتی ریاستیں ٹوٹ اور بکھر رہی ہیں اور نئی نوآبادیاتی ریاستیں قائم ہو رہی ہیں۔ سامراجی ریاستوں کے درمیان نوآبادیات پر قبضہ کرنے کے لئے ایک نئی جد و جہد شروع ہو رہی ہے ـــــ ایسی جنگوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کثیر القومی ریاستیں ٹوٹنے اور بکھرنے لگتی ہیں اور دنیا کے نئے سیاسی نقشے بنائے جاتے ہیں۔ پرانی ریاستوں کا ٹوٹ کر بکھر جانا۔ آسٹریا، ہنگری کا ختم ہو جانا، ترکی کا زوال پذیر ہونا، یہ واقعات ایک طرف ہیں اور دوسری طرف برطانیہ اور پرانے جرمنی کی تاریخ ہمارے پیش نظر ہے۔ ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۹ء کی سامراجی جنگ عظیم اور نوآبادیات اور محکوم قوموں میں انقلابی تحریکوں کے وجود میں آنے والے تمام واقعات اور اسی قسم کے دوسرے واقعات صاف طور پر ثابت کرتے ہیں کہ کثیر القومی سامراجی ریاستیں کس قدر غیر مستحکم اور اندرونی طور پر کتنی کمزور ہیں۔

ایک طرف تو قوموں کے درمیان معاشی رابطہ و اتحاد وجود میں آیا تو دوسری طرف سامراجی ریاستوں نے اس رابطہ و اتحاد کو وجود میں لانے کے لئے استحصال کا طریقہ اختیار کیا۔ ان دو چیزوں کے درمیان تضاد کی صورت پیدا ہو رہی ہے۔ اسی تضاد کی وجہ سے سرمایہ دارانہ

itsurdu.blogspot.com
Scanned by CamScanner

itsurdu.blogspot.com

قومی مسئلے کو حل کرنے میں بالکل ناکام رہا۔ اس نے اس مسئلے کو حل کرنے کی بجائے پہلے سے بھی زیادہ پیچیدہ اور شاندار امیر بنا دیا ہے۔ قومی مسئلہ نوآبادیاتی مسئلہ بن گیا ہے اور آئرلینڈ سے لے کر ہندوستان تک سامراج کے خلاف ایک نیا محاذ بن گیا ہے۔ قومی مسئلے کو اگر کوئی ریاست حل کر سکتی ہے تو وہ صرف ایسی ریاست ہے جس میں اشیاء کی پیدائش کے آلات اور ذرائع پر اجتماعی ملکیت قائم ہو۔ صرف اشتراکی طرز کی ریاست ہی قومی مسئلے کو حل کر سکتی ہے۔ سوویت وفاقی ریاست میں مظلوم قوموں اور حکمران قوموں کا وجود نہیں رہا اور ایک قوم پر دوسری قوم کا ظلم و تشدد بھی ختم ہو گیا لیکن چونکہ پرانے نظام کی لعنت کے نتیجے کے طور پر کم متمدن قوموں اور زیادہ متمدن قوموں کے درمیان تہذیبی، معاشی اور سیاسی لحاظ سے نابرابری پائی جاتی ہے، اس لئے قومی مسئلے کا مطالبہ ہے کہ ایسی کارروائیاں کی جائیں کہ سوویت نظام کے پچھڑی ہوئی قوموں کے محنت کش عوام معاشی، سیاسی اور تہذیبی اعتبار سے ترقی کریں اور انہیں سوویت ریاست کی زیادہ ترقی یافتہ قوم یعنی روسی قوم کے برابر ہونے کا موقع ملے۔

سرمایہ دارانہ نظام کا انتشار
اور
اشتراکی نظام کا اتحاد

چونکہ سرمایہ داری کی بنیاد ذاتی ملکیت اور استحصال پر قائم ہے، اس لیے وہ قوموں کے درمیان نفاق اور پھوٹ پیدا کرتی ہے اور ان کو حریف جماعتوں میں تقسیم کر دیتی ہے۔ اس کی مثال ہمیں برطانیہ اور فرانس میں ملتی ہے بلکہ وہ بہت سی چھوٹی چھوٹی ریاستیں بھی مثال کے طور پر پیش کی جا سکتی ہیں جیسے پولینڈ اور یوگوسلاویہ جو اندرونی قومی اختلافات کے شکار ہیں۔ یہ اختلافات ان ریاستوں کی بنیادوں کو کھوکھلا کرتے رہتے ہیں۔ مغرب میں جہاں سرمایہ دارانہ جمہوریت کا رواج ہے اور جہاں ریاستوں کی بنیاد ذاتی ملکیت پر قائم ہے۔ وہاں قومی دشمنی، قومی جھگڑوں اور قومی جدوجہد کا پیدا ہونا لازمی امر ہے۔ برخلاف اس کے سوویت نظام میں سیاسی طاقت سرمائے پر قائم نہیں ہے بلکہ محنت پر یعنی سیاسی طاقت مزدوروں کے ہاتھ میں ہے نہ سرمایہ داروں کے ہاتھ میں۔ اس کی بنیاد ذاتی ملکیت پر نہیں بلکہ اجتماعی ملکیت پر ہے۔ وہ

Scanned by CamScanner

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

سیاسی طاقت انسان پر انسان کے استحصال سے پیدا نہیں ہوئی ہے بلکہ اس استحصال کی مخالفت اور دشمنی سے۔ سوویت حکومت میں جو سیاسی طاقت ہے' اس کی ماہیت اور فطرت ہی محنت کش عوام کو اتحاد کی طرف لے جاتی ہے اور ان کو ایک واحد اشتراکی خاندان میں منسلک اور متحد کر دیتی ہے۔ یہ کتنی حیرت انگیز بات ہے کہ مغرب کی سرمایہ دار جمہوری کثیر القومی ریاستیں رفتہ رفتہ منتشر اور زوال پذیر ہو کر مختلف حصوں اور ٹکڑوں میں تقسیم ہو رہی ہیں۔ برطانیہ کی مثال پر نظر ڈال لیجیے۔ ہندوستان اور مصر و آئرلینڈ کے آزاد ہو جانے پر سلطنت کا شیرازہ بکھر جائے گا اور یہ لازمی ہے کہ برطانیہ کو ان تینوں ملکوں سے کوئی نہ کوئی معاملہ طے کرنا ہوگا۔ پولینڈ کو بھی متعدد قوموں سے نبٹنا ہے' جیسے سفید روسی، یوکرینی، جرمن اور یہودی، لیکن سوویت وفاق میں جس میں تیس سے کم قومیں شامل نہیں ہیں۔ ہمیں بالکل برعکس صورتِ حال دکھائی دیتی ہے۔ یہاں مختلف آزاد ریاستوں کے درمیان سیاسی اتحاد اور استحکام بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ اِس عمل کے تحت آزاد قومیں ایک واحد آزاد ریاست میں بدل رہی ہیں۔ اِس طرح ہمیں دو قسم کے سیاسی اتحادوں کا نقشہ ملتا ہے۔ ایک طرف تو سرمایہ دارانہ نظام ہے جو ایک ہی ریاست کے اندر بسنے والی مختلف قوموں کو الگ الگ کر دیتا ہے اور ریاست مختلف حصوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ دوسری طرف سوویت طرز کا سیاسی اتحاد ہے جو آزاد علیحدہ قوموں کے درمیان بتدریج لیکن مضبوط رابطہ پیدا کر کے ایک واحد آزاد ریاست کی طرف قدم بڑھا رہا ہے۔"

سبب جاننا مشکل نہیں ہے۔ ذاتی ملکیت اور سرمایہ عوام میں نفاق کے بیج بوتا ہے۔ قومی دشمنی کی آگ کو ہوا دیتا ہے اور ایک قوم پر دوسری قوم کا ظلم قائم کرتا ہے۔ اس کے

برخلاف اجتماعی ملکیت اور اجتماعی محنت عوام کو متحد کرتی ہے اور ایک قوم پر دوسری قوم کے ظلم کو ختم کرتی ہے جس طرح سرمایہ داری سے لازماً ایک قوم پر دوسری قوم کا ظلم پیدا ہوتا ہے' اِسی طرح اشتراکیت سے لازمی طور پر محکوم قومیں حاکم قوموں کے پنجے سے آزاد ہوتی ہیں اور ہر قوم کو آزادی نصیب ہوتی ہے۔ جب تک کسان طبقے اور عام چھوٹے سرمایہ دار طبقے کے لوگوں میں قومی توہمات باقی رہیں گے اور جب تک وہ سرمایہ دار طبقے کے پیچھے پیچھے چلتے رہیں گے' اس وقت تک جاہلانہ وطن پرستی اور مختلف قوموں میں باہمی تصادم پیدا ہوتا رہے گا۔ برخلاف اس کے اگر کسان مزدوروں کی رہنمائی قبول کر لیں یعنی اگر مزدوروں کی آمریت قائم ہو جائے تو مختلف قوموں کے درمیان امن و امان کا پیدا ہونا اور قومی آزادی کا وجود میں آنا ایک بالکل یقینی امر ہے چنانچہ ایک قوم پر دوسری قوم کے ظلم و تشدد کو ختم کرنے کی بنیادی صورت یہ ہے کہ مزدور راج قائم ہو۔ اسی سے قوموں میں مساوات اور برابری قائم ہو گی اور قومی اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت ہو سکے گی۔

رُوس کے اشتراکی انقلاب کے تجربے سے اوپر لکھی ہوئی باتیں سچ ثابت ہوتی ہیں۔ روس میں جب سوویت نظام قائم ہُوا اور یہ اعلان کیا گیا کہ ہر قوم کو سیاسی علیحدگی کا حق حاصل ہے تو روس کے محنت کش عوام کے درمیان پرانے تعلقات ختم ہو گئے اور نئے تعلقات قائم ہُوئے۔ وہاں کی قوموں کی پُرانی دشمنی کی جڑیں کھوکھلی ہو گئیں۔ قومی ظلم و تشدد کا خاتمہ ہُوا۔ روس کے مزدوروں کا اعتماد وہاں کی دوسری قوموں کے دل میں بیٹھ گیا۔ نہ صرف یہ بلکہ یورپ اور ایشیا کے مزدوروں کے دل میں بھی یہ اعتماد اتنا بڑھا کہ آج تمام ملکوں کے مزدور

Scanned by CamScanner
itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

مشترکہ مقصد کے لیے متحد ہو کر جد و جہد کرنے کے لیے تیار ہیں۔ جب آذر بائیجان اور آرمینیا میں سوویٹ ریاستیں قائم ہوئیں تو وہاں بھی اسی قسم کے نتائج پیدا ہوئے پہلے ان ریاستوں میں سے ہر ریاست کے اندر مختلف قومیں ایک دوسرے سے متصادم رہتی تھیں لیکن سوویٹ نظام قائم ہونے کے بعد ترکی اور آرمینیا کے محنت کش عوام میں جو صدیوں کی دشمنی تھی، ختم ہو گئی۔ آرمینیا اور آذر بائیجان کے عوام کی دشمنی بھی ختم ہو گئی۔ ہنگری، بیوریا، فن لینڈ اور لٹیویا میں سوویٹ نظام کو مستقل نہیں بلکہ محض کچھ دنوں کے لیے کامیابی حاصل ہوئی لیکن اس کے باوجود وہاں بھی اسی قسم کے نتائج ظاہر ہوئے یعنی وہاں بسنے والی مختلف قوموں کا باہمی تصادم فوراً ڈھیلا پڑ گیا۔ اگر خود روس میں ایک قوم پر دوسری قوم کے ظلم و تشدد کا خاتمہ نہ کر دیا جاتا اور مختلف قوموں کی آپس کی دشمنی کو نہ مٹا دیا ہوتا اور اگر مغرب اور مشرق کی قوموں کے محنت کش عوام روس کے مزدوروں کے ساتھ اپنی پُرجوش ہمدردی اور اعتماد نہ ظاہر کرتے تو روس کے مزدور کبھی بھی کولچک اور ڈینی کن جیسے ترقی دشمن اور رجعت پرست لیڈروں کو شکست نہیں دے سکتے تھے اور آذر بائیجان اور آرمینیا کی ریاستیں کبھی بھی وجود میں نہیں آ سکتی تھیں۔ سوویٹ جمہوریتوں کا مستحکم ہونا اور ایک قوم پر دوسری قوم کے ظلم و تشدد کا خاتمہ ہونا ایک ہی سیاسی عمل کے دو پہلو ہیں۔ یہ سیاسی عمل کیا ہے؟ —— سامراجی غلامی سے محنت کش عوام کا نجات حاصل کرنا۔

سوویٹ جمہوریتوں کے ایسے وفاق کے قیام سے جس کی بنیاد مشترکہ فوجی اور معاشی امور پر قائم ہو مندرجہ ذیل مقاصد حل ہوتے ہیں:۔

(۱) پورے وفاق اور اس میں شامل ہر جمہوریت کی معاشی ترقی ہوتی ہے[1] اور ان کا اتحاد اور اندرونی استحکام برقرار رہتا ہے۔

(۲) اگرچہ وفاق میں مختلف قوموں کے مختلف سماجی، تہذیبی اور معاشی حالات کا اختلاف ہوتا ہے اور مختلف قومیں مختلف سطحوں پر ہوتی ہیں لیکن پھر بھی ایک قوم پر دوسری قوم کا ظلم و تشدد نہیں ہوتا۔ عام وفاق کے اندر تہذیبی اختلافات کے مطابق جمہوریتوں کو ملا کر مختلف قسم کے وفاق بنائے جا سکتے ہیں۔

(۳) ان تمام قوموں کے درمیان پُرامن رشتہ اور برادرانہ اتحاد و اشتراک قائم رہتا ہے جو مختلف صورتوں میں وفاق سے اپنی قسمت وابستہ کیے ہوتی ہیں۔ روس میں اسی قسم کے مختلف وفاق بنائے گئے ہیں۔ ایک قسم تو وہ ہے جو سوویٹ خود مختاری پر مبنی ہے۔ اس وفاق میں یہ ریاستیں شامل ہیں کرغیز جمہوریت، باشکیر جمہوریت، تاتار جمہوریت، گورتسی، داغستان

دوسری قسم کا وفاق وہ ہے جو مختلف آزاد سوویٹ ریاستوں کے درمیان معاہدوں پر قائم ہے۔ مثلاً یوکرین اور آذر بائیجان سے اسی قسم کے تعلقات قائم ہیں۔ ان دونوں کے بیچ میں بھی درمیانی قسمیں ہیں مثلاً ترکستان اور سفید روس۔ غرض یہ کہ روس کے تجربے نے پورے طور پر ثابت کر دیا ہے کہ سوویٹ جمہوریتوں کے درمیان جو سیاسی اتحاد ہیں، ان کی شکل وفاق کی ہے۔

---

[1] جیسا کہ اسٹالن پہلے بتا چکا ہے اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ قوموں کی معاشی نابرابری ختم ہو اور سب قومیں ترقی کی ایک ہی سطح پر آ جائیں۔

Scanned by CamScanner

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

اکتوبر انقلاب اور قومی سوال

قومی سوال کوئی ایسا سوال نہیں ہے جو اپنا مقصد آپ ہو اور ہر زمانے میں اس کی شکل ایک ہی ہو۔ قومی سوال دراصل موجودہ نظام کے ٹوٹنے اور نئے نظام کے قائم ہونے کے عام مسئلہ کا ایک حصّہ ہے۔ چنانچہ قومیت کا مسئلہ سماجی ماحول سے پورے پورے طور پر متعین ہوتا ہے۔ کسی ملک میں سیاسی اقتدار کی نوعیت کیا ہے؟ اور سماجی ارتقا نے کون سا طریقہ اختیار کیا ہے؟ یہ باتیں بھی قومی سوال کو متعین کرتی ہیں۔ جب روس میں انقلاب ہو رہا تھا تو اس وقت کے حالات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانے میں انقلاب کی رفتار کے ساتھ ساتھ روس کے سرحدی علاقوں میں چلتی ہوئی قومی تحریکیں بھی اپنی نوعیت اور اپنا کردار بدلتی جا رہی تھی۔ روس کے سرمایہ دار انقلاب کے زمانے (فروری ۱۹۱۷ء) میں روس کے سرحدی عِلاقوں میں چلتی ہوئی قومی تحریکوں کی نوعیت

بھی سرمایہ دار انقلاب کی تھی۔ اس انقلاب میں محکوم قوموں نے جو صدیوں سے پرانے نظام اور پرانی حکومت کے ظلم و تشدد کا شکار تھیں، پہلی مرتبہ اپنی طاقت کو اپنے حاکموں کے خلاف لڑائی میں جھونک دیا۔ اس وقت قومی تحریک کا مخصوص نعرہ یہ تھا کہ ایک قوم پر دوسری قوم کی حکومت کو ختم کیا جائے۔ پلک جھپکتے ہی روس کے تمام سرحدی علاقوں میں قومی اِدارے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اِن قومی تحریکوں کی رہنمائی قوم پرست بورژوا، پڑھے لکھے طبقوں میں تھی۔ لیٹویا، استھونیا، لتھوانیا، جارجیا، آرمینیا، آذربائیجان، کاکیشس، کرغزستان اور وسطی والگا کا علاقہ یوکرین، سفید رُوس، بیسریبیا، کریمیا، باشکیریا ترکستان، غرض ہر جگہ قومی تحریکیں پیدا ہو گئیں۔ اِنہیں قومی تحریکوں میں ہر ملک کے سرمایہ دار طبقے نے اپنی طاقت لگا دی۔ ان کے سامنے مقصد یہ تھا کہ زار کی حکومت سے چھٹکارا ملے اور قومی سرمایہ دار طرز کی ریاستیں قائم ہوں۔ حقِ خود ارادیت کا مطلب یہ نکالا گیا کہ ان قوموں سے ہر قوم کا بورژوا طبقہ وہاں کا سیاسی اختیار و اقتدار اپنے ہاتھوں میں لے لے اور مزدوروں کے انقلاب سے فائدہ اٹھا کر اپنی اپنی قومی ریاستیں قائم کرے۔ اس کے بعد یا اس قومی تحریک کے سامنے اور کوئی مقصد نہیں تھا اور نہ ہو سکتا تھا یعنی ان کے سامنے مزدور اور کسان کا راج قائم کرنے کا کوئی پروگرام نہیں تھا۔ ان قومی تحریکوں کے چلانے والے اس حقیقت کو نظر انداز کر رہے تھے کہ ایک نیا ننگا سامراج زار کی جگہ لے رہا ہے انہوں نے یہ بھی محسوس نہیں کیا تھا کہ یہ نیا سامراج ان نئی قوموں کا زیادہ خطرناک اور زیادہ مضبوط دشمن ہے اور وہ ایک نئے ظلم و تشدد کی بنیاد بن سکتا ہے۔

itsurdu.blogspot.com
Scanned by CamScanner

itsurdu.blogspot.com

زار کی حکومت کے ختم ہو جانے اور سرمایہ دار طبقے کے برسرِ اقتدار ہونے کے بعد ایک قوم پر دوسری قوم کا ظلم و تشدد ختم نہیں ہوا۔ بلکہ اس کی جگہ ایک نیا متمدن لیکن پہلے سے زیادہ خطرناک قسم کا ظلم و تشدد شروع ہو گیا۔ کیرنسکی، میلیوکوف اور لوو کی حکومت نے ایک قوم پر دوسری قوم کے ظلم و تشدد کو ختم کرنے کی بجائے فن لینڈ اور یوکرین پر ایک نیا حملہ شروع کر دیا۔ ۱۹۱۷ء کی گرمیوں میں فن لینڈ کی مجلسِ قانون ساز بند کر دی گئی۔ یوکرین کے تہذیبی اداروں کے خلاف ایک عام جنگ چھیڑ دی گئی۔ یہی نہیں بلکہ اس سامراجی حکومت نے عوام سے سامراجی جنگ کو جاری رکھنے کا مطالبہ کیا۔ تاکہ وہ نئے ملکوں کو غلام بنا سکیں اور نئی نوآبادیات اور نئی قوموں کو غلامی کی زنجیریں پہنا سکیں۔ یہ حکومت نہ صرف اس لئے یہ راستہ اختیار کر رہی تھی کہ اس کی فطرت ہی سامراجی تھی۔ بلکہ اس لئے بھی کہ مغربی یورپ کی پرانی سامراجی ریاستیں نئے ملکوں اور قوموں کو ہتھیانے کی کوشش کر رہی تھیں، جس سے روسی حکومت کے سامراجی دائرۂ اثر کے تنگ اور محدود ہو جانے کا خطرہ لاحق تھا۔ سامراجی جنگ ہمارے سامنے جو نقشہ پیش کرتی ہے وہ یہ ہے کہ سامراجی ریاستیں چھوٹی قوموں کو غلام بنانے کی کوشش کرتی ہیں جس کے بغیر وہ سامراجی ریاستیں بھی زندہ نہیں رہ سکتی تھیں۔ جب روس میں زار کی حکومت ختم ہو گئی اور ملیوکوف کرنسکی کی حکومت قائم ہوئی تو بھی کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ روس کے سرحدی علاقوں میں جو قومیں آباد تھیں وہ پوری سیاسی آزادی چاہتی تھیں۔ روس کی سامراجی حکومت نے قدرتی طور پر ان کی سخت مخالفت کی۔ دوسری طرف یہ ہوا کہ چونکہ ان مختلف قومی تحریکوں میں ہر قوم کا سرمایہ دار طبقہ برسرِ اقتدار

آ گیا۔ اس لئے اس کے اپنے کسانوں اور مزدوروں میں بےچینی پھیل گئی۔ یہ قومی تحریکیں روس کی سامراجی حکومت کے دباؤ کے سامنے بالکل بےبس تھیں۔ کسانوں اور مزدوروں کی طرف سے بھی خطرے پیدا ہو گئے تھے۔ چنانچہ بیرونی حملوں اور اندرونی خلفشار کے سامنے یہ سرمایہ دار قومی ریاستیں پھلنے پھولنے سے پہلے ہی مرجھانے لگیں۔

اس طرح حقِ خود ارادیت کا پرانا سرمایہ دارانہ مفہوم بے معنی ہو گیا اور اس کی انقلابی اہمیت ختم ہو گئی۔ یہ بالکل ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں ایک قوم پر دوسری قوم کے ظلم و تشدد کے ختم ہونے کا کوئی امکان نہیں تھا اور نہ چھوٹی چھوٹی قومیں آزاد رہ سکتی تھیں۔ سب پر ظاہر ہو گیا کہ محنت کش عوام اس وقت تک آزاد نہیں ہو سکتے اور ایک قوم پر دوسری قوم کا ظلم و تشدد اس وقت تک ختم نہیں ہو سکتا، جب تک سامراجیت سے بالکل ہاتھ نہ دھو لیا جائے اور جب تک ہر قوم میں سرمایہ دار طبقے کا زوال نہ ہو اور جب تک محنت کش عوام اختیارات اپنے ہاتھوں میں نہ لے لیں۔ چنانچہ اکتوبر کے انقلاب کے بعد یہ باتیں ہو کر رہیں۔

فروری میں روس میں جو انقلاب ہوا، وہ نتیجہ تھا مزدوروں اور کسانوں اور کسان سپاہیوں کی کوششوں کا۔ لیکن انقلاب کے بعد اختیارات سرمایہ دار طبقے کے ہاتھوں میں چلے گئے۔ مزدوروں اور کسانوں نے اس لئے انقلاب کیا تھا کہ انہیں جنگ سے نجات مل جائے اور امن نصیب ہو۔ لیکن سرمایہ دار طبقے نے بااختیار ہونے کے بعد جنگ کو جاری رکھنا چاہا اور امن کی مخالفت کی۔ ملک میں معاشی ابتری پھیلی ہوئی تھی اور غذا کی سخت

Scanned by CamScanner
itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

کمی محسوس کی جا رہی تھی۔ ان باتوں کا تقاضا یہ تھا کہ مزدوروں کے فائدے کے لیے صنعتوں کو اور سرمایہ دار طبقے کے سرمایہ کو ان کے ہاتھوں سے چھین کر مزدوروں کو دے دیا جائے اور بڑی بڑی زمینداریاں کسانوں میں تقسیم کر دی جائیں۔ لیکن میلیوکوف، کرنسکی کی حکومت سرمایہ داروں اور زمینداروں کے مفاد کی حفاظت کر رہی تھی۔ اس طرح فروری کا انقلاب دراصل سرمایہ دار طبقے کا انقلاب تھا۔ اگرچہ یہ انقلاب مزدوروں اور کسانوں نے پیدا کیا تھا۔ لیکن اس سے فائدہ اٹھا رہے تھے سرمایہ دار۔ ملک جنگ کی وجہ سے ہولناک معاشی بدحالی اور غذا کی کمی کا سامنا کر رہا تھا۔ محاذِ جنگ ٹوٹ رہا تھا۔ روسی فوجیں پیچھے ہٹ رہی تھیں۔ کارخانے اور ریلیں بند ہو گئیں تھیں۔ قحط کا ملک میں دور دورہ تھا فروری کا انقلاب ملک کو ان کے مصائب سے نہیں بچا سکتا تھا چنانچہ ملک کو سامراجی جنگ اور معاشی تباہی کی دلدل سے نکالنے کے لئے ایک نئے اشتراکی انقلاب کی ضرورت تھی۔

اکتوبر میں جب مزدوروں اور کسانوں نے سیاسی مشینری پر اپنا قبضہ جما لیا تو وہی اشتراکی انقلاب رونما ہوا۔ اس انقلاب میں زمینداروں اور سرمایہ داروں کے اقتدار کا خاتمہ ہو گیا۔ مزدوروں اور کسانوں کی حکومت قائم ہوئی۔ زمینداروں اور بڑے کسانوں کی طاقت ختم ہو گئی اور زمین کا استعمال محنت کش کسان عوام کے ہاتھوں میں چلا گیا۔ کارخانے اور ملیں ضبط کر کے مزدوروں کو دے دی گئیں۔ سامراجی حکومت ختم کر دی گئی اور سامراجی جنگ بھی بند کر دی گئی۔ روس کی گذشتہ سامراجی حکومت نے دنیا کی دوسری سامراجی طاقتوں سے چھوٹی قوموں اور کمزور ملکوں کو ہتھیانے کے لئے جو معاہدے کئے تھے،

وہ شائع کر دیئے گئے اور ساری دنیا پر سامراجیوں کی سازش کا بھانڈا پھوٹ گیا۔ ستائی ہوئی قوموں کے محنت کش عوام کی آزادی اور خودمختاری کا اعلان کر دیا گیا اور فن لینڈ کی آزادی تسلیم کر لی گئی۔ یہ تھیں وہ اہم کارروائیاں جو انقلاب کے دوران میں سوویت حکومت نے کیں۔ یہ صحیح معنوں میں اشتراکی انقلاب تھا۔ یہ انقلاب مرکز سے شروع ہوا تھا۔ لیکن وہ زیادہ عرصہ تک اس تنگ علاقے میں محدود نہیں رہ سکا اور سرحدی علاقوں تک تیزی سے پھیل گیا۔ لیکن سرحدی علاقوں میں پہنچ کر اس انقلابی سیلاب کو آہنی دیواروں سے ٹکر لینی پڑی۔ یہ آہنی دیواریں کیا تھیں؟ قومی اور علاقائی حکومتیں مثلاً ڈان، کیوبن، سائبیریا، یہ حکومتیں اکتوبر سے پہلے ہی وجود میں آ گئی تھیں اور چونکہ یہ سرمایہ دار حکومتیں تھیں۔ اس لئے اشتراکی انقلاب کی مخالفت کر رہی تھیں۔ اس حکومت پر سرمایہ دار طبقے کا قبضہ تھا جو پرانے سرمایہ دارانہ نظام کو برباد کرنے کی بجائے اس کی حفاظت کر رہا تھا۔ وہ لازمی طور پر سامراجی حکومتیں تھیں۔ چنانچہ وہ اس بات کی تاک میں تھیں کہ جب بھی موقع ملے، غیر قوموں کے حصے بخرے کئے جائیں۔ لازمی طور پر سرحدی علاقوں کی ان قومی حکومتوں نے مرکز کی اشتراکی حکومت کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا اور خود انقلاب دشمنی کا اکھاڑہ اور اڈا بن گئیں۔ تمام وہ لوگ جو انقلاب کی مخالفت کر رہے تھے، ان علاقوں کی طرف کھنچ آئے۔ ان علاقوں میں اشتراکی حکومت کے خلاف جنگ کی تیاریاں کی جا رہی تھیں۔ انقلاب کے مخالف لوگ روس سے بھاگ بھاگ کر ان علاقوں میں پہنچے۔ اور وہیں "سفید محافظوں کے قومی دستے" بنائے گئے۔

itsurdu.blogspot.com

Scanned by CamScanner

itsurdu.blogspot.com

لیکن ان سرحدی علاقوں میں قومی حکومتوں کے علاوہ کسان اور مزدور بھی موجود تھے۔ اکتوبر کے انقلاب سے پہلے ہی ان مزدوروں اور کسانوں نے اپنی "نمائندوں کی سوویٹیں" بنالی تھیں جو ان سوویٹوں کے نمونے پر تھیں جو مرکزی روس میں موجود تھیں۔ سرحدی علاقوں کی ان سوویٹوں نے اپنے شمال کے ساتھیوں سے تعلقات منقطع نہیں کئے تھے اور وہ بھی سرمایہ دار طبقے کو شکست دینا چاہتی تھیں۔ اس طرح ان سرحدی علاقوں کی سوویٹوں کا خود اپنے ہاں کی قومی حکومتوں سے روز بروز تصادم بڑھ رہا تھا۔ اکتوبر کے انقلاب نے روس کے مزدوروں اور کسانوں کے ساتھ سرحدی علاقوں کے مزدوروں اور کسانوں کے تعلقات مضبوط کر دیئے۔ انہیں اشتراکیت کی فتح کا یقین دلایا اور ان کو عمل پر ابھارا۔ چنانچہ جب سرحدی علاقوں کی سرمایہ دار قومی حکومتوں نے مرکزی سوویت حکومت کے خلاف جنگ چھیڑی تو ان علاقوں کی سوویٹوں کے ذریعے مزدوروں اور کسانوں نے اپنے اپنے علاقے کے سرمایہ داروں کے خلاف جدوجہد کی۔ اس طرح ان سرمایہ دار حکومتوں کے خلاف پورے روس کے کسانوں اور مزدوروں کا اشتراکی اتحاد قائم ہوا۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ سرحدی علاقوں کی قومی حکومتوں نے یہ جنگ سوویت حکومت کی مرکزیت کے خلاف شروع کی تھی۔ لیکن یہ سراسر غلط ہے۔ دنیا کی کسی بھی حکومت نے اپنی قوموں کو اتنی وسیع غیر مرکزیت اور اتنی مکمل قومی آزادی عطا نہیں کی ہے، جتنی روس کی سوویت حکومت نے۔ اس جنگ کی اصلی نوعیت یہ تھی کہ انقلاب کے جن سرمایہ دار دشمنوں نے اشتراکیت کے خلاف جدوجہد کی تھی، وہ قومی جھنڈے کے ذریعے اپنے اپنے عوام کو دھوکہ دے رہے تھے اور وہ جھنڈا سرمایہ داروں کے انقلاب دشمن ارادوں کی پردہ داری کر رہا تھا۔

سوویت طاقت کے خلاف اس جنگ میں سرمایہ دار قومی اور علاقائی حکومتوں کا شکست کھانا ایک لازمی امر تھا۔ ان پر دو سمتوں سے حملہ ہوا۔ باہر سے سوویت حکومت نے حملہ کیا اور اندر سے خود ان کے مزدوروں اور کسانوں نے۔ چنانچہ پہلی ہی مڈبھیڑ میں یہ قومی حکومتیں دُم دبا کر پیچھے ہٹ گئیں۔ فن لینڈ کے صنعتی اور زرعی مزدوروں نے بغاوت کی اور وہاں کے سرمایہ داروں کی مجلس قانون ساز کو راہِ فرار اختیار کرنا پڑا۔ یوکرین کے مزدوروں اور کسانوں نے عَلَمِ بغاوت بلند کیا اور سرمایہ داروں کی مجلسِ قانون ساز بھاگ کھڑی ہوئی۔ ڈان، کیوبن، اور سائبیریا کے مزدوروں اور کسانوں نے بھی بغاوت کی اور کیلیے ڈین، کارنیلوف، سائبیریا کی حکومتوں کو شکستِ فاش نصیب ہوئی۔ ترکستان کے غریب کسانوں نے بغاوت کی اور وہاں کی خود مختار حکومت دُم دبا کر بھاگ گئی۔ کاکیشس میں زرعی انقلاب رونما ہوا اور جارجیا، آرمینیا اور آذربائیجان کی قومی مجلسوں نے اپنی مکمل بیچارگی ظاہر کر دی۔ یہ تمام واقعات اب معلوماتِ عامہ کا درجہ حاصل کر چکے ہیں اور یہ بات ظاہر ہو گئی ہے کہ سرحدی علاقوں کی سرمایہ دار حکومتوں کا خود وہاں کے عوام سے تمام رشتہ منقطع ہو چکا تھا۔ جب ان "قومی حکومتوں" نے شکست کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار نہ دیکھا تو انہوں نے نہایت بے شرمی کے ساتھ خود اپنے مزدوروں اور کسانوں کے خلاف مغربی یورپ کی سامراجی حکومتوں سے امداد چاہی۔ یہ مغربی سامراجی وہی تھے، جو دنیا کی چھوٹی چھوٹی قوموں کو مدتوں سے لُوٹ کھسوٹ رہے تھے۔ چنانچہ اُنہوں نے فوراً ان نام نہاد قومی حکومتوں کی امداد کے لئے اپنی اپنی فوجیں بھیجیں اس طرح رُوس کی اِشتراکی

itsurdu.blogspot.com
Scanned by CamScanner

itsurdu.blogspot.com

حکومت کے خلاف غیر ملکی مداخلت کا دور شروع ہوا اور سرحدی علاقوں پر غیر ملکی فوجیں آدھمکیں۔ اس نئے دور میں یہ بات اور ثابت ہو گئی کہ یہ علاقائی اور "قومی حکومتیں" انقلاب کی دشمن ہیں۔ یہ بات سب پر ظاہر ہو گئی کہ قومی سرمایہ دار طبقہ "اپنی قوم" کی آزادی اور خود مختاری کی جدوجہد نہیں کر رہا ہے بلکہ وہ محض اس بات کی آزادی چاہتا ہے کہ اپنی قوم کے عوام سے منافع اینٹھے۔ اپنے ناجائز مراعات حاصل کرے اور اپنے سرمایہ کو محفوظ رکھے۔

اب یہ بات صاف ہو گئی ہے کہ جب تک سامراجی پالیسی سے قطع تعلق نہ کیا جائے۔ جب تک سرمایہ داری کا زوال نہ ہو اور جب تک محنت کش عوام کے ہاتھوں میں سیاسی طاقت نہ آجائے۔ اس وقت تک مظلوم اور ستائی ہوئی قوموں کی آزادی کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ قومی سرمایہ دار طبقے نے حقِ خود ارادیت کا جو تصور پیش کیا تھا، اس کا مفہوم یہ تھا کہ تمام تر سیاسی اقتدار قومی سرمایہ دار طبقے کے ہاتھوں میں ہو لیکن انقلاب کے طوفانی دوران میں اس تصور کی جڑیں کھوکھلی ہو گئیں اور اس کی بجائے حقِ خود ارادیت کا اشتراکی تصور پھیل گیا۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ تمام تر سیاسی اقتدار ستائی ہوئی قوموں کے محنت کش عوام کے ہاتھ میں ہو۔ اکتوبر کے انقلاب نے قومی آزادی کی پرانی سرمایہ دارانہ تحریک کو للکار کر پھینک دیا۔ اس تحریک کے کھنڈرات سے ستائی ہوئی قوموں کے کسانوں اور مزدوروں کی اشتراکی تحریک طلوع ہوئی۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ ہر قسم کا ظلم و تشدد ختم ہو جائے۔ اس ہر قسم کے ظلم و تشدد کے خاتمے کے سلسلے میں لازمی طور پر ایک قوم پر دوسری قوم کے ظلم و تشدد کے خاتمے کا پروگرام بھی شامل تھا۔ محنت کش عوام کی اشتراکی تحریک

صرف غیر ملکی سرمایہ داروں کے خلاف تھی بلکہ خود اپنے ملک کے سرمایہ دار طبقے کے خلاف بھی۔ اس طرح یہ تحریک عام طور پر پورے سامراج کے خلاف تھی ؛

itsurdu.blogspot.com
Scanned by CamScanner

itsurdu.blogspot.com

اکتوبر کا انقلاب اور کمیونسٹوں کی قومی پالیسی

اکتوبر کے انقلاب کی طاقت اس حقیقت میں مضمر تھی کہ یورپ کے مغربی ملکوں کے انقلابات کے برخلاف رُوسی انقلاب میں روسی مزدوروں کے گرد لاکھوں چھوٹے سرمایہ دار طبقے کے لوگ بھی جمع ہو گئے تھے اور اس چھوٹے سرمایہ دار طبقے کے سب سے طاقتور اور سب سے کثیر التعداد نچلے حصے یعنی کسانوں نے رُوس کے مزدور انقلابیوں کا ساتھ دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ روس کا سرمایہ دار طبقہ اکیلا رہ گیا۔ اس کے پاس فوج نہ تھی۔ دوسری طرف روس کا مزدور طبقہ ملک کی قسمت کا مالک اور رہنما بن گیا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو رُوس کے مزدوروں کے لئے اپنی طاقت اور اقتدار کو برقرار رکھنا غیر ممکن ہو جاتا۔ امن، زرعی انقلاب اور قوموں کی آزادی۔ یہ تھے تین خاص عناصر جنہوں نے رُوس کے وسیع وعریض ملک کی بیس قوموں کے کسانوں اور مزدوروں کو رُوسی مزدوروں

کے سرخ جھنڈے کے گرد جمع کر دیا۔

قومی آزادی کے بارے میں یہاں پر کچھ کہنا ضروری ہے۔ یعنی یہ کہ سوویت نظام کے اندر بسنے والی مختلف قوتوں کو کس قسم کی آزادی حاصل ہے۔

سوویت ریاستوں کی پوری آبادی چودہ کروڑ ہے (اس میں فن لینڈ، استھونیا لیٹویا، لتھوانیا اور پولینڈ کو شامل نہیں کیا گیا) ان چودہ کروڑ میں چھ کروڑ پچاس لاکھ لوگ ان قوموں کے ہیں، جنہیں غیر رُوسی قوم کہا جاتا ہے۔ یہ قومیں زیادہ تر سرحدی علاقوں میں آباد ہیں اور فوجی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو آسانی سے بیرونی حملوں کا شکار ہو سکتی ہیں۔ پھر ان سرحدی علاقوں میں کچا مال، ایندھن اور غذا کی اشیاء بھی کافی مقدار میں موجود ہیں۔ یہ سرحدی علاقے مرکزی روس کے مقابلے میں صنعتی اور فوجی اعتبار سے یا تو کم ترقی یافتہ ہیں یا بالکل پچھڑے ہوتے ہیں۔ اس لئے مرکزی روس کی معاشی اور فوجی امداد کے بغیر وہ اپنی آزادی برقرار نہیں رکھ سکتے۔ اسی طرح مرکزی رُوس سرحدی علاقوں کے ایندھن، کچے مال اور غذائی اشیاء کے بغیر اپنی معاشی اور فوجی طاقت برقرار نہیں رکھ سکتا۔

روس کے کمیونسٹوں نے سرحدی علاقوں کی قوموں کے ساتھ جو پالیسی اختیار کی ہے، اس میں ان حالات کا بڑا دخل ہے اور اس کے ساتھ ساتھ کمیونسٹوں کے قومی پروگرام کی کچھ اہم باتیں بھی شامل ہیں۔ اس پالیسی کے متعلق اہم باتیں یہ ہیں۔ غیر روسی قوموں کے علاقوں پر تمام دعووں اور حقوق سے دست بردار ہو جانا اور ان قوموں

Scanned by CamScanner
itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

کے حق کو تسلیم کر لینا، نہ صرف الفاظ سے بلکہ عمل سے۔ قومی ریاستوں کی آزادی اور خود مختاری کو برقرار رکھنا۔ ان قوموں کا خود اپنی خواہش اور فیصلے سے مرکزی روس کے ساتھ فوجی اور معاشی اتحاد قائم کرنا۔ تہذیبی اور معاشی ترقی میں پست حال قوموں کی امداد کرنا۔ اس امداد کے بغیر "قومی برابری" محض الفاظ کا گورکھ دھندا ہو کر رہ جائے گی۔ ان تمام چیزوں کی بنیاد دو باتوں پر ہے۔ ایک تو یہ کہ سوویت وفاق میں شامل قوموں کے کسانوں کو آزادی حاصل ہے اور دوسرے وہاں کے محنت کش طبقے کے ہاتھوں میں تمام تر سیاسی اقتدار سونپ دیا گیا ہے۔ یہ ہے روس کے کمیونسٹوں کی پالیسی سوویت وفاق کی قوموں کے ساتھ۔ اگر روس کے کمیونسٹ عملاً اس قومی پالیسی کو چلانے کے لئے اپنی رضامندی ظاہر نہ کرتے۔ اگر وہ فن لینڈ پر اپنے حقوق جتانا نہ چھوڑ دیتے۔ اگر وہ شمالی ایران سے اپنی فوجیں نہ ہٹا لیتے۔ اگر وہ منگولیا اور چین کے کچھ علاقوں پر انقلاب سے پہلے کے سامراج دعووں سے دست بردار نہ ہو جاتے۔ اگر وہ پچھڑی ہوئی قوموں کو لسانی آزادی نہ دیتے تو روس کے مزدور برسرِ اقتدار آنے کے بعد دوسری قوموں کے مزدوروں اور غیر خود مختار قوموں کے ستائے ہوئے عوام کا اعتماد اور ہمدردی ہرگز حاصل نہ کر سکتے تھے۔ اسی اعتماد نے سوویت وفاق کی قوموں میں ناقابلِ شکست اتحاد پیدا کیا۔ اس اتحاد کے سامنے غیر ملکوں کی تمام سیاسی چالیں اور ان کی ناکہ بندیاں بیکار اور ناکام ثابت ہوئیں۔ اگر روس کے مزدوروں کو سرحدی علاقوں کے ستائے ہوئے عوام کی ہمدردی اور اعتماد نہ حاصل ہوتا تو وہ کبھی بھی کولچک، ڈینی کن، رینگل کو شکست نہیں دے سکتے۔ ان غدار فوجی سرداروں کا میدانِ عمل وہ سرحدی

علاقے تھے جہاں زیادہ تر غیر روسی قومیں آباد تھیں، جو کولچک، ڈینی کن اور رینگل سے نفرت کرنے پر مجبور تھیں۔ اس لئے کہ ان فوجی سرداروں کی پالیسی سامراجی تھی اور وہ غیر روسی قوموں کی تہذیب و تمدن کو مٹا کر ان کو روسی سانچے میں ڈھالنا چاہتے تھے۔ مغربی سامراجیوں کے اتحادِ ثلاثہ نے جب روسی سیاست میں مداخلت شروع کی اور ان غدار فوجی سرداروں کی حمایت کی تو اس اتحادِ ثلاثہ کو سرحدی علاقوں کے ان عناصر کا سہارا لینا پڑا جو غیر روسی قوموں کو روسی سانچے میں ڈھالنے کے حمایتی تھے۔ اس بات نے سرحدی علاقوں کے عوام کے دل میں ان غدار فوجی افسروں کے خلاف دیرینہ نفرت کو اور بھی تیز کر دیا اور وہاں کے عوام سوویت حکومت کے اور بھی ہمدرد بن گئے۔ کولچک، ڈینی کن اور رینگل کی اندرونی بنیاد کو اس طرح کمزور کر دیا گیا اور آگے چل کر انہیں شکستِ فاش نصیب ہوئی۔ روس کے کمیونسٹوں کی اس پالیسی کے اچھے نتائج سوویت وفاق میں شامل قوموں ہی تک محدود نہیں رہے۔ بلکہ اس کا نتیجہ یہ بھی ظاہر ہوا کہ روس کے ساتھ ہمسایہ ملکوں کا طرزِ عمل بھی بدل گیا۔ ترکی، ایران، افغانستان اور روس کی مشرقی سرحد کے دوسرے ملکوں نے روس کے ساتھ اپنا رویہ یکسر بدل دیا۔ پہلے روس ان ملکوں کے لئے ایک ہوّا بنا ہوا تھا۔ لارڈ کرزن جیسے سیاستدان نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے۔

آر۔ ایس۔ ایف۔ ایس۔ آر اور اس سے ملحق سوویت ریاستوں میں کوئی چودہ کروڑ کی آبادی ہے۔ ان میں سے غیر روسی قوموں کی آبادی چھ کروڑ پچاس لاکھ ہے۔ یہ غیر روسی قومیں یہ ہیں۔ یوکرینی، سفید روسی، کرغیز، ازبک، ترکمان، تاجک،

itsurdu.blogspot.com
Scanned by CamScanner

itsurdu.blogspot.com

آذربائیجانی، والگا کے تاتار، کریمیا کے تاتار، اہلِ بخارا، اہلِ خیوا، باشکیری، آرمینی، چیچینی، کبردیانی، اوسٹ، سرکیشی، کراچائی، بال کیری، کالمک، اہلِ کیریلیا، اویری، دارغی، کازی کومونی، کیورن، کومک، میرس، چودیشی، وٹ، والگا کے جرمن، اہلِ بریت، یاکوتی، وغیرہ وغیرہ۔

زار اور زمیندار اور سرمایہ دار کی پالیسی ان قوموں کے ساتھ یہ تھی کہ ان کے اندر ریاست کو بالکل نہ پنپنے دو اور ریاست کے جو کچھ جراثیم ہیں ان کو بھی ختم کر دو۔ ان کی تہذیب مٹا دو۔ ان کی مادری زبان پر پابندیاں عائد کرو۔ ان کی جہالت قائم رکھو اور جہل تک ممکن ہو سکے، ان کی قومیت کو مٹا کر انہیں رُوسی سانچے میں ڈھال دو۔ اس پالیسی کے تحت لازمی طور پر یہ قومیں بہت پیچھے رہ گئیں اور ان کے اندر سیاسی ترقی نہ ہو سکی۔ اب جب کہ مزدوروں اور زمینداروں کا اقتدار ختم ہو گیا ہے اور ان ملکوں میں بھی سوویت حکومتیں قائم ہو گئی ہیں تو روس کی کمیونسٹ پارٹی کے سامنے یہ پروگرام ہے کہ غیر روسی قوموں کے محنت کش عوام کی مدد کی جائے۔ تاکہ وہ مرکزی رُوس کی ترقی کی سطح پر آجائیں۔

کمیونسٹ پارٹی مندرجہ ذیل باتوں میں اِن قوموں کی مدد کر رہی ہے۔

ہر قوم اپنے مخصوص قومی کردار کے مطابق اپنی سوویت ریاست کو ترقی دے۔
ہر قوم خود اپنی عدالت خود اپنے تنظیمی شعبے اور خود اپنے معاشی اور سرکاری شعبے قائم کرے۔ تمام امور مادری زبان میں انجام دیئے جائیں۔ ہر قوم کے عہدے دار خود اسی قوم کے لوگوں سے چُنے جائیں۔ اس لئے کہ وہ اپنی قوم کی رسوم و رواج کی نفسیات سے

واقف ہوں گے۔ ہر قوم اپنے پریس۔ اپنے اسکول، اپنے تھیٹر، اپنے کلب اور اپنے تہذیبی اور تعلیمی ادارے قائم کرے اور یہ تمام ادارے اپنا کاروبار مقامی زبان میں چلائیں سوویت وفاق کی غیر روسی آبادی ساڑھے چھ کروڑ افراد پر مشتمل ہے۔ اگر اس میں سے وہ علاقے نکال دیئے جائیں جو کم و بیش سرمایہ داری کے دور سے گزر چکے ہیں (یوکرین، سفید روس، آذر بائیجان کا چھوٹا سا حصّہ اور آرمینیا) تو کوئی تین کروڑ آبادی رہ جاتی ہے۔ یہ آبادی زیادہ تر ترکی قوموں پر مشتمل ہے یعنی ترکستان، آذربائیجان کا بیشتر حصّہ، داغستان، گورتسی قوم، تاتار، باشکیری، کرغیزی اور دیگر قومیں —— یہ قومیں سرمایہ دارانہ دور سے نہیں گزری تھیں۔ ان کے اندر صنعتی مزدوروں کا طبقہ موجود ہی نہیں تھا یا اگر تھا بھی تو اتنی کم تعداد میں کہ نہ ہونے کے برابر۔ یہ قومیں ابھی تک چراگاہی اور سر قبیلی طرز کی زندگی گذار رہی تھیں۔ جیسے کرغیزیا، باشکیریا اور شمالی کاکیشس یا ان میں سے ایسی قومیں بھی تھیں جو ایک قدیم طرز کی نیم سر قبیلائی اور نیم جاگیردارانہ طرز کی زندگی سے آگے نہیں بڑھ سکی تھیں۔ مثلاً آذربائیجان اور کریمیا وغیرہ۔ لیکن یہ تمام قومیں سوویت نظام کی ترقی کے مشترکہ دھارے میں کھنچ آئیں۔ ان قوموں کے ساتھ کمیونسٹوں کے منجملہ اور فرائض میں ایک فرض یہ بھی ہے کہ ان کے سر قبیلائی اور جاگیردارانہ نظام کے اثرات ختم کرنے میں ان قوموں کی مدد کرنا۔ محنت کش کسانوں کی پنچائتوں یعنی سوویتوں کی بنیاد پر ایک سوویت طرز کے معاشی نظام تعمیر کرنے میں مدد کرنا۔ اس مقصد کے لئے ان قوموں میں مضبوط کمیونسٹ ادارے قائم کرنا۔ ایسے ادارے جو سوویت اور معاشی ترقی کے کام میں رُوسی مزدوروں اور کسانوں کے تجربات سے فائدہ

Scanned by CamScanner
itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

اٹھا سکیں اور ہر قوم کے علیحدہ علیحدہ معاشی حالات، طبقاتی نظام، تہذیب، عادات اور رسوم کے ساتھ، اپنے تعمیری کام کو ہم آہنگ اور بار ربط بنا سکیں۔ اس سلسلے میں مرکزی روس میں جو معاشی کار روائیاں کی گئیں، اُن کو جُوں کا تُوں ان پچھڑی ہُوئی قوموں پر مسلط کر دینا غلط تھا۔ اس لئے کہ یہ قومیں مرکزی روس کے مقابلے میں معاشی ترقی کی اس سطح پر ابھی نہیں پہنچ سکی تھیں۔

اگر ان تین کروڑ باشندوں سے جن میں زیادہ تر ترکی نسل کی قومیں ہیں، مندرجہ ذیل قوموں کو علیحدہ کر دیں تو ایک کروڑ باشندے رہ جاتے ہیں۔ آذربائیجان، ترکستان کا بیشتر حصہ، داگا کی جمہوریت، کریمیا کی تاتار جمہوریت، بخارا، خیوا، داغستان، گورتسی کا ایک حصہ جس میں کبارڈی سرکیشی اور باشکیری قومیں شامل ہیں اور کچھ اور دیگر قومیں جو پہلے ہی سے خاص خاص علاقوں میں بس گئی تھیں اور ان سے وابستہ ہو گئی ہیں۔ ان قوموں کو علیحدہ علیحدہ کر دینے کے بعد ایک کروڑ باشندے رہ جاتے ہیں جو مندرجہ ذیل قوموں میں منقسم ہیں۔ کرغیزی، باشکیری، چیچینی، اور سیٹی اور انگوشی۔ انقلاب سے پہلے ان قوموں کی زمینوں کو روسی قوم کے لوگوں نے اپنی نو آبادیات بنا لیا تھا۔ روسیوں نے ان کی سب سے قابلِ کاشت زمین چھین لی تھی اور نہایت منظم طریقے سے ان قوموں کو بتدریج خشک اور بنجر ریگستان میں دھکیل رہے تھے۔ حکومتِ زار زمینداروں اور سرمایہ داروں کی یہ پالیسی تھی کہ ان علاقوں میں روسیوں، کوساکوں اور روس کے دولت مند کسانوں کی بیش از بیش تعداد بسادی جائے تاکہ روس کو بڑی طاقت بننے میں ان سے مدد مل سکے۔

ان ستائی ہُوئی قوموں کے محنت کش عوام کے ساتھ کمیونسٹ پارٹی کا فرض مندکرہ بالا فرائض کے علاوہ یہ بھی تھا کہ مقامی روسی آبادی، محنت کش عوام اور ان قوموں کے محنت کش

عوام کی متحدہ کوششوں سے عام دولت مند کسانوں اور خاص طور پر روسی دولتمند کسانوں کے خلاف جدوجہد کرے جو مدتوں سے اُن کو ستا رہے تھے۔ وہاں کے محنت کش عوام کو قابلِ کاشت زمین دی گئی۔ تاکہ وہ اپنی گزر اوقات کر سکیں اور اپنی ضروریاتِ زندگی حاصل کر سکیں۔

اوپر کی سطروں میں ان منظم اور غیر منظم قوموں کا تذکرہ کیا گیا ہے، جن کے اندر ایک طبقاتی نظام موجود تھا۔ ان میں سے ہر ایک قوم کسی مخصوص علاقے میں آباد ہے لیکن ان قوموں کے علاوہ آر، ایس، ایف۔ ایس۔ آر کے اندر قومی جماعتیں اور قومی اقلیتیں دوسری قوموں کی اکثریتوں کے درمیان پھیلی ہوئی ہیں۔ ان قومی جماعتوں میں کوئی خاص طبقاتی نظام موجود نہیں ہے اور نہ وہ کسی مخصوص علاقے میں آباد ہیں۔ لیٹوی، استھونی، پولی، یہودی اور دیگر اقلیتیں اسی طور پر روس میں پھیلی ہوئی ہیں۔ زار کی حکومت کی پالیسی یہ تھی کہ ان اقلیتوں کو ہر ممکن طریقہ سے نیست و نابود کر دیا جائے یہاں تک کہ اگر قتلِ عام کی ضرورت پیش آئے تو اس سے بھی دریغ نہ کیا جائے۔ چنانچہ زار کی حکومت کے دوران میں اسی طرح منظم طریقے سے یہودیوں کے قتلِ عام کی کوشش کی گئی تھی لیکن انقلاب کے بعد قومی مراعات کو ختم کر دیا گیا اور تمام قوموں میں مساوات قائم کر دی گئی۔ خود سوویت نظام کے اندر اقلیتوں کی آزاد ترقی کی گارنٹی موجود ہے۔ چنانچہ ان قومی جماعتوں کے محنت کش عوام کے ساتھ کمیونسٹ پارٹی کا فریضہ یہ رہا ہے کہ ان قوموں کو آزادانہ طور پر ترقی کرنے میں مدد دے۔

itsurdu.blogspot.com
Scanned by CamScanner

itsurdu.blogspot.com

اکتوبر کے انقلاب کی بین الاقوامی اہمیّت

اکتوبر کے انقلاب کی ایک عظیم الشان بین الاقوامی اہمیّت ہے جو مندرجہ ذیل باتوں میں مضمر ہے۔ اس انقلاب نے قومی مسئلے کی غایت اور اس کے مقصد کو وسیع کر دیا ہے۔ اس سے پہلے قومی مسئلہ محض ایک قوم پر دوسری قوم کے ظلم اور تشدّد کو ختم کرنے کا مسئلہ تھا۔ لیکن اب قومی مسئلہ نوآبادیات اور ستائی ہوئی قوموں کو سامراج کے پنجے سے چھڑانے کا ایک عام مسئلہ بن گیا ہے۔

(۲) اس انقلاب نے سامراج سے آزادی حاصل کرنے کے امکانات کو بے حد وسیع کر دیا ہے اور اس کا صحیح طریقہ بھی بتا دیا ہے۔ اس انقلاب نے مشرق اور مغرب کی ستائی ہوئی قوموں کو سامراج کے خلاف مشترکہ جدوجہد کے لئے متحد کر دیا ہے اور آزادی کے مقصد کو زبردست مدد پہنچائی ہے۔

(۳) اس انقلاب نے عالمگیر سامراج کے خلاف انقلابات کا ایک نیا محاذ تعمیر کر دیا ہے جو مغربی یورپ کے مزدوروں، روس کے اشتراکیوں اور مشرق کی مظلوم اور محکوم قوموں تک پھیلا ہوا ہے۔ اس طرح انقلاب نے محکوم مشرق اور اشتراکی مغرب کے درمیان گہرا ربط و اتحاد پیدا کر دیا ہے اور ان کے درمیان جو خلیج حائل تھی، اُس کو پاٹ دیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مشرق اور مغرب کے محنت کش عوام روس کے مزدوروں کے لئے ناقابلِ بیان جوش و خروش کا اظہار کر رہے ہیں۔ اسی جوش و خروش سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ دنیا کے سامراج ڈاکوؤں نے کیوں اتنے وحشیانہ غم و غصّہ کے ساتھ سوویت روس کے خلاف اپنی پوری طاقت لگا دی تھی۔

itsurdu.blogspot.com
Scanned by CamScanner

itsurdu.blogspot.com

سوویت وفاق کے چار بنیادی اصول

سوویت وفاق کی دوسری قوموں کے ساتھ رُوسی حکومت کا کیا رویہ ہے۔ اس کو مختصراً یوں پیش کیا جاسکتا ہے۔

(۱) ہر قوم کو علیحدگی کا حق حاصل ہے۔

(۲) جو قومیں ریاست سے علیحدگی اختیار نہ کریں، انہیں خطہ وار خود مختاری عطا کی جائے۔

(۳) ایسے قوانین بنائے جائیں، جن سے قومی اقلیتوں کی آزاد ترقی عمل میں آئے۔

(۴) ریاست کی تمام قوموں کے مزدوروں کے لئے ایک واحد مزدور جماعت وجود میں لائی جائے۔

سوویت وفاق میں قوموں کی آزاد شمولیت

سوویت وفاق کی اساس اس بات پر قائم ہے کہ ریاستیں خود اپنی خواہش اور رضامندی سے اس میں شامل ہوئی ہیں۔ وفاق میں جو ریاستیں شامل ہیں، ان سب کی قانونی حیثیت برابر ہے۔ ان کی قانونی حیثیت اس لئے برابر ہے کہ ہمارے پروگرام کی بنیاد قوموں کے آزاد سیاسی وجود کے حق پر قائم ہے۔ جب تک قومیں خود اپنی رضامندی سے شامل نہ ہوں، اس وقت تک کوئی بھی وفاق یا کوئی بھی واحد ریاست دائمی اور پائدار نہیں ہو سکتی۔ یہ کہا جا چکا ہے کہ سوویت وفاق میں جتنی قومیں شامل ہیں، ان سب کی قانونی حیثیت برابر ہے۔ ممکن ہے ان کے درمیان حقیقی برابری نہ ہو۔ اس لئے کہ ایسی قومیں جو انقلاب سے پہلے ہی معاشی، سیاسی اور تہذیبی لحاظ سے آگے نکل چکی تھیں اور ایسی قومیں جو پچھڑی ہوئی تھیں، ان کے درمیان اب انقلاب کے بعد حقیقی برابری قائم کرنے کا مسئلہ

Scanned by CamScanner
itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

ایک مشکل مسئلہ ہے، جس کے حل کرنے میں کئی سال درکار ہیں۔ لیکن بہرحال ان قوموں کو قانونی برابری یقیناً حاصل ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام جمہوریتیں جن سے وفاق کی تشکیل ہوئی ہے یعنی ماورائے کاکیشیا، سفید روس، یوکرین اور آر، ایس۔ ایف۔ ایس۔ آر ان چاروں جمہوریتوں کو وفاق سے یکساں فوائد حاصل ہیں اور ان سبھوں نے مساوی طور پر اپنے کچھ آزاد حقوق وفاق کے حوالے کر دیئے ہیں۔ ان چاروں جمہوریتوں میں کسی کو بھی اُمورِ خارجہ کا شعبہ رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ ان کے اُمورِ خارجہ کے شعبے ختم کر دیئے گئے ہیں اور ان کی جگہ پر وفاق کا ایک متحدہ[1] شعبہ امورِ خارجہ قائم کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان جمہوریتوں کی آزادی پر کچھ پابندی آگئی ہے جو تمام جمہوریتوں پر یکساں حاوی ہوتا ہے۔ ان جمہوریتوں میں سے ہر ایک کے پاس پہلے اپنا شعبۂ تجارت خارجہ تھا لیکن اب یہ الگ الگ تجارتِ خارجہ کے شعبے بند کر دیئے گئے ہیں اور پورے وفاق کا ایک متحدہ شعبۂ تجارت قائم ہو گیا ہے۔ کچھ لوگ خالص مکتبی اور رسمی انداز میں پوچھتے ہیں کہ کیا جمہوریتوں کے اس طرح منسلک ہو جانے کے بعد ان کی آزادی برقرار رہی؟ یہ ایک خالص مکتبی سوال ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان ریاستوں کی خود مختاری پر ایک پابندی ضرور لگ گئی ہے۔ اس لئے

---

[1] جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے، اسٹالین نے یہ کتاب کئی سال پہلے لکھی تھی۔ اس دوران میں سوویت وفاق کے دستورِ حکومت میں کافی تبدیلیاں ہو چکی ہیں۔ ۱۹۴۴ء سے اب وفاق میں شامل جمہوریتوں کو شعبۂ امورِ خارجہ رکھنے کی اجازت ہے۔

کہ مختلف ریاستوں کے اس طرح آپس میں مل کر وفاق قائم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان ریاستوں کے حقوق پر کچھ پابندی ضرور آگئی ہے۔ لیکن ان ریاستوں کی آزادی کے عناصر برقرار ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ ہر ریاست کو یہ آزادی ہے کہ وہ جب چاہے، اپنی خواہش کے مطابق وفاق سے علیحدہ ہو سکتی ہے۔ اس سے زیادہ مکمل آزادی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

وفاق اسی وقت پائدار ہو سکتا ہے اور اس کے نتائج اُسی وقت کارگر ثابت ہو سکتے ہیں کہ اس کی بنیاد باہمی اعتماد پر قائم ہو اور اس میں تمام قومیں خود اپنی خواہش سے داخل ہوئی ہوں۔ آر۔ ایس۔ ایف۔ ایس۔ آر۔ دنیا میں واحد ملک ہے، جہاں متعدد قوموں کے درمیان پُرامن طریقے سے ساتھ رہنے اور برادرانہ اشتراکِ عمل اور تعاون کا تجربہ کامیاب ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وفاق میں حکمران قوم اور غلام قوم کا وجود نہیں۔ نہ تو یہاں نوآبادیات ہیں اور نہ نوآبادیات کا استحصال کرنے والا غیر ملکی سامراج۔ وفاق کی یہ خصوصیت کہ اس میں تمام قومیں خود اپنی خواہش سے شامل ہوتی ہیں، پورے پورے طور پر مستقبل میں برقرار رکھی جائے گی۔ اس لئے کہ صرف اسی قسم کے وفاق کے ذریعے تمام ملکوں کے محنت کش عوام کا وہ اعلیٰ ترین اتحاد رفتہ رفتہ قائم ہو سکتا ہے، جس کی ضرورت روز بروز اہم ہوتی جا رہی ہے۔

یہ کہنے کی غالباً ضرورت نہیں ہے کہ اگر روس کے مزدور سیاسی اختیارات حاصل کرنے کے بعد قوموں کی سیاسی علیحدگی کا اعلان نہ کرتے اور اس حقِ علیحدگی کو

itsurdu.blogspot.com
Scanned by CamScanner

itsurdu.blogspot.com

عمل میں لانے کی آمادگی ظاہر نہ کرتے تو مشرق اور مغرب کی دیگر قوموں کے مزدور کبھی بھی ان کے ہمدرد نہیں بن سکتے تھے۔ مثلاً روس کی مزدور حکومت نے اختیارات حاصل کرنے کے بعد ۱۹۱۷ء میں فن لینڈ پر سے اپنے حقوق واپس لے لئے۔ شمالی ایران سے اپنی فوجیں ہٹا لیں۔ چین اور منگولیا پر سے اپنے تمام حقوق سے دست بردار ہو گئے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔

سوویت روس میں علاقائی خود مختاری

سوال یہ ہے کہ ان قوموں کے ساتھ ہمارا طرزِ عمل کیا ہونا چاہیئے، جو چند اسباب کی بنا پر سوویت ریاست کے عام ڈھانچے کے اندر رہنا چاہتی ہیں۔ واحد حل یہ ہے کہ علاقائی بنیاد پر قوموں کو خود مختاری دے دی جائے۔ پولینڈ، لتھوانیا، یوکرین، کاکیشیا وغیرہ جیسے معین علاقوں کا خود مختار رہنا ضروری ہے۔ علاقائی خود مختاری سے متعلق پہلی بات یہ ہے کہ اس کے تحت ایک مخصوص علاقے کی ایک مخصوص آبادی کو خود مختاری دی جاتی ہے۔ دوسرے یہ عوام کو مختلف قوموں میں تقسیم نہیں کرتی اور نہ قومی اختلافات کو مضبوط کرتی ہے۔ بلکہ اس کے برخلاف اختلافات اور تفریق کو مٹاتی ہے اور آبادی کو اس طرح متحد کرتی ہے کہ تقسیم کی ایک اور قسم کے لئے راستہ صاف ہو جاتا ہے اور وہ ہے طبقاتی تقسیم۔ سب سے آخری فائدہ علاقائی خود مختاری میں یہ ہے کہ

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

Scanned by CamScanner

itsurdu.blogspot.com

اس مخصوص علاقے کے لوگوں کو وہاں کی قدرتی دولت سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملتا ہے اور کسی مشترکہ مرکز کے فیصلوں کا بغیر انتظار کئے اس علاقے کی پیداواری قوتوں کو بھی بڑھانے کا موقع حاصل ہوتا ہے ۔

سوویت خود مختاری کی قسمیں اور خصوصیتیں

سوویت خود مختاری کوئی جامد اور ٹھہری ہوئی چیز نہیں ہے، جسے ایک ہی بار تمام آئندہ زمانے کے لئے مقرر کر دیا گیا ہو۔ سوویت خود مختاری کی مختلف قسمیں اور مختلف درجے ہیں۔ مثلاً خود مختاری کی ایک قسم تو وہ ہے جس کے تحت کسی علاقے کو اپنی تنظیمی امور میں خود مختاری حاصل رہتی ہے۔ وولگا کے جرمنوں، چوواش اور کیریلیوں کو اسی قسم کی خود مختاری حاصل ہے۔ اس سے وسیع خود مختاری باشکیریوں، وولگا کے تاتاریوں اور کرغیزیوں کو حاصل ہے۔ اس میں بھی زیادہ سیاسی خود مختاری یوکرین اور ترکستان کو حاصل ہے۔ خود مختاری کی سب سے اعلیٰ قسم وہ ہے جو معاہدوں کے ذریعے وجود میں آئی۔ آذربائیجان کو یہی خود مختاری حاصل ہے۔ سوویت خود مختاری کے اس لوچ اور تنوع کی وجہ ہی سے یہ ممکن ہوا ہے کہ ایسے سرحدی علاقوں کو وفاق میں شامل کر لیا گیا ہے جن کے درمیان تہذیبی اور معاشی ترقی کے لحاظ سے بہت فرق پایا جاتا ہے۔ ہر علاقے کو اپنی حیثیت کے مطابق خود مختاری حاصل

Scanned by CamScanner

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

ہے۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جو رُوس کی خود مختار جمہوریتوں کو ایک ایسی بُری چیز سمجھتے ہیں، جس کو عارضی طور پر ہمیں برداشت کرنا ہے۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ اس خود مختاری کو محدود کرنے کی ضرورت ہے تاکہ آگے چل کر اس کا خاتمہ ہو جائے۔ یہ رویہ بالکل غلط اور یہ نظریہ بالکل کھوٹا ہے اور سوویت حکومت کی پالیسی سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ سوویت خود مختاری کوئی ہوائی چیز نہیں ہے اور نہ یہ محض الفاظ کا گورکھ دھندا ہے۔ سوویت خود مختاری ایک حقیقی شے ہے اور سرحدی علاقوں کو رُوس سے متحد کرنے کا سب سے ٹھوس اور سچا طریقہ یوکرین، آذربائیجان، ترکستان، کرغیز جمہوریت، باشکیر جمہوریت، تاتار جمہوریت اور دیگر سرحدی علاقے چونکہ اپنے عوام کی تہذیبی اور مادی خیر و فلاح اور ترقی کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں۔ اس لئے یہ بالکل ضروری ہے کہ ان کے اپنے اسکول ہوں، اپنی عدالتیں ہوں اور وہاں کے تنظیمی اور سرکاری اداروں کے لوگ خود انہیں لوگوں میں سے چُنے جائیں جب تک یہ سب نہیں ہوتا، اس وقت تک ان علاقوں میں سچے معنوں میں سوویت نظام قائم نہیں کیا جا سکتا اور نہ ان کو مرکزی رُوس سے متحد کیا جا سکتا ہے۔ اگر ہم یہ کہتے ہیں کہ ہر علاقے کے اپنے اسکول ہوں، اپنی عدالتیں ہوں اور اس کے اُمورِ حکومت اور اُمورِ انتظامیہ مقامی زبان میں چلائے جائیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم سوویت خود مختاری کو عمل میں لا رہے ہیں۔ سوویت خود مختاری اگر کوئی چیز ہے تو انہیں مختلف اور متعدد اداروں کا مجموعہ جو مختلف شکلوں میں ملبوس ہوتا ہے۔ مثلاً یوکرینی شکل، ترکستانی شکل یا کرغیزی شکل۔

ایسی حالت میں کوئی شخص کیونکر سنجیدگی کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہے کہ سوویت خود مختاری کوئی ٹھوس چیز نہیں ہے اور اس کو روکنے کی کوشش کی جانی چاہیے۔

دو باتوں میں سے کوئی ایک بات ہو سکتی ہے۔ یا تو یوکرینی، آذربائیجانی، کرغیزی، ازبیکی باشکیری اور دیگر زبانیں واقعی اپنا وجود رکھتی ہیں۔ اگر ایسا ہے تو ضروری ہے کہ ان علاقوں میں مقامی زبان کے اسکول، عدالتیں اور سرکاری ادارے وغیرہ قائم کئے جائیں اور ان کو ترقی دی جائے۔ ان اداروں میں مقامی زبان استعمال میں آئے اور ان کے کام کرنے والے خود انہیں لوگوں میں سے چُنے جائیں۔ اگر ایسا ہو تو پھر یہ قطعی ضروری ہے کہ سوویت خود مختاری اپنی مجموعی حیثیت سے عمل میں لائی جائے اور اس پر کوئی پابندی عائد نہ کی جائے۔

اور اگر ایسا نہیں ہے یعنی جن زبانوں کا تذکرہ کیا گیا ہے، ان کا کوئی وجود نہیں۔ اس لئے ذیلی علاقوں میں مادری زبان میں اسکولوں اور اداروں کا ہونا غیر ضروری ہے تو پھر سوویت خود مختاری ایک بیکار، فضول اور بے معنی شے ہے۔

ان دو کے علاوہ ہمارے سامنے کوئی تیسرا راستہ نہیں ہے اور جو لوگ تیسرا راستہ تلاش کرتے ہیں۔ وہ یا تو موضوع کے متعلق کچھ نہیں جانتے یا افسوسناک حد تک سطحی ہیں۔

سوویت روس میں ایک ایسا تجربہ کیا جا رہا ہے جس کی دنیا میں کوئی مثال نہیں۔ وہ تجربہ یہ ہے کہ وہاں کی بہت سی قوموں اور قبیلوں کو ایک واحد مزدور ریاست کے اندر امن و صلح کے ساتھ مل جل کر رہنے کی تنظیم کی جا رہی ہے، جس کی بنیاد اس بات پر قائم ہے کہ اس وفاق میں تمام ریاستیں خود اپنی خواہش سے شامل ہوئی ہیں اور ان کے درمیان باہمی اعتماد اور برادرانہ ہمدردی پائی جاتی ہے۔ یہ تجربہ پورے طور پر اسی وقت کامیاب ہو سکتا ہے، جبکہ قومی مسئلے کے متعلق ہماری عملی پالیسی سوویت خود مختاری کے اصولوں کے خلاف نہ ہو۔ وہی عملی پالیسی جب

itsurdu.blogspot.com
Scanned by CamScanner

itsurdu.blogspot.com

کا پہلے ہی اعلان کیا جا چکا ہے ۔ سوویت خود مختاری کی شکلیں مختلف اور متعدد ہیں ۔ کس علاقے کے لیے خود مختاری کی کون سی قسم موزوں ہو گی، اس کا انحصار اس مخصوص علاقے کے حالات پر ہے ۔ کامیابی کا انحصار اس بات پر ہے کہ ان علاقوں میں ہم جو قدم اٹھائیں؛ وہ ایسا ہو کہ اس سے وہاں کے عوام ایک بلند تر روحانی اور مادی تہذیب کی منزل پر آ جائیں ۔ اس پرولتاری تہذیب کی مختلف شکلیں ہر علاقے کے اپنے رسوم و رواج اور قومی خصوصیات کے مطابق ہوں گی ۔

منتشر اقلیتوں کے تحفظ کا سوال

وہ کونسی خاص بات ہے جو کسی ملک کے اندر بسنے والی اقلیت کو بغاوت پر اُبھاتی اور اکساتی ہے؟

اقلیت اس لئے غیر مطمئن نہیں رہتی کہ ملک میں قومی اتحاد نہیں پایا جاتا بلکہ وہ اس لئے غیر مطمئن رہتی ہے کہ اسے اپنی مادری زبان استعمال کرنے کا حق نہیں دیا جاتا ۔ اگر اسے اپنی مادری زبان استعمال کرنے کا حق دے دیا جائے تو اس کی بے اطمینانی خود بخود دور ہو جائے گی اقلیت کے غیر مطمئن رہنے کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ اس کے اپنے اسکول نہیں ہوتے ۔ اگر اسے اپنے اسکول کھولنے کی اجازت دے دی جائے تو بے اطمینانی کے اسباب ختم ہو جائیں اقلیت اس لئے بھی غیر مطمئن رہتی ہے کہ اسے ضمیر کی آزادی اور نقل و حرکت کی آزادی حاصل نہیں ہوتی ۔ اگر اسے یہ تمام آزادیاں دے دی جائیں تو اُس کی بے اطمینانی ختم ہو جائے ۔

itsurdu.blogspot.com
Scanned by CamScanner

itsurdu.blogspot.com

غرض قومی مسئلے کو حل کرنے کے لئے ان تمام چیزوں کا عطا کیا جانا ضروری ہے، جن سے مختلف اقوام میں قومی مساوات قائم ہوتی ہے۔ ملک میں ایسے سرکاری قانون کی ضرورت ہوتی ہے، جو مکمل جمہوریت پر قائم ہو، جو تمام خاص خاص مراعات اور خاص حقوق کو ختم کر دے اور اقلیتوں کے حقوق پر سے تمام پابندیاں ہٹالے صرف انہیں کارروائیاں سے اقلیتوں کے حقوق کی کاغذی حفاظت نہیں بلکہ حقیقی حفاظت ہوتی ہے۔

مزدور طبقے کی واحد سیاسی جماعت

اگر مزدور مختلف قوموں میں تقسیم ہوجاتے ہیں تو اس کا بہت خراب نتیجہ نکلتا ہے مزدوروں کی جمعیت منتشر ہوجاتی ہے اور مزدوروں کی انجمنیں قوموں میں تقسیم ہوجاتی ہیں اور علیحدہ علیحدہ قومی پالیسی کے مطابق چلنے لگتی ہیں۔ قوموں کے درمیان اختلافات بڑھ جاتے ہیں۔ قومی بنیادوں پر اور قومی اسباب کی بنا پر مزدوروں کی ہڑتالیں ٹوٹنے لگتی ہیں۔ اشتراکی تحریک میں انتشار پھیل جاتا ہے اور پستی آجاتی ہے۔ آسٹریا کی اشتراکی تحریک اور روس میں بنڈ (BUND) کی سیاسی سرگرمیوں کی مثالیں ثبوت کے لئے موجود ہیں۔ ان تمام باتوں کا واحد علاج یہ ہے کہ بین الاقوامی پیمانے پر مزدوروں کی تنظیم کی جائے۔ تمام قوموں کے مزدوروں کو مختلف مقامات پر مختلف جماعتوں میں متحد کیا جائے اور پھر ان تمام جماعتوں کو ایک واحد سیاسی جماعت میں متحد اور منسلک کر دیا جائے۔ اس صورت میں ایک واحد

itsurdu.blogspot.com
Scanned by CamScanner

itsurdu.blogspot.com

جماعت کے ہوتے ہوئے بھی مختلف علاقوں کی خود مختاری ختم نہیں ہوتی۔ کاکیشیا کا تجربہ اس قسم کی تنظیم کے مفید اور موزوں ہونے کا ثبوت دیتا ہے۔ کاکیشیا والوں نے اپنے علاقے کے آرمینی اور تاتار مزدوروں کے قومی اختلافات کو ختم کر دیا۔ اب باکو میں جہاں مختلف قومی جماعتوں کے لوگ رہتے ہیں، قومی تصادم کا امکان بالکل نہیں رہا، وہاں بسنے والی تمام قوموں کے مزدور ایک طاقتور تحریک کے دھاگے میں منسلک ہیں۔ اس کامیابی کا سہرا وہاں کی اشتراکی تحریک کے سر ہے، جس کا کردار اور ڈھانچہ بین الاقوامیت کے اصول پر قائم کیا گیا ہے۔

مزدوروں کی جماعتوں کا تنظیمی ڈھانچہ ایک بہت اہم حیثیت رکھتا ہے۔ اس کا اثر مزدوروں پر نہ صرف عملی دنیا میں پڑتا ہے، بلکہ مزدوروں کی پوری ذہنی زندگی بھی اس سے متاثر ہوتی ہے۔ مزدور کی زندگی اور اس کی تنظیمی جماعت کی زندگی ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہوتی ہے۔ مزدور اپنی تنظیمی جماعت کی زندگی گزارتا ہے۔ یہ تنظیم اس کی دماغی ترقی کو ابھارتی ہے اور اس کی تعلیم و تربیت کرتی ہے۔ مزدور اپنی تنظیم میں شامل ہو کر اس کے ذریعے دوسری قوموں کے مزدور ساتھیوں سے مل جل کر کام کرنے کے بعد اور مشترکہ جماعت کی رہنمائی میں اور مشترکہ جد و جہد میں حصہ لے کر یہ بات اچھی طرح سمجھ لیتا ہے کہ تمام مزدور ایک ہی طبقے کے افراد ہیں اور یہ طبقہ ایک خاندان کی حیثیت رکھتا ہے۔ مزدوروں کی بھاری اکثریت کے دل و دماغ پر اس چیز کا ایک زبردست تعلیمی اثر پڑتا ہے۔ بین الاقوامی طرز کی مزدور تنظیم مختلف قوموں کے افراد کے درمیان برادرانہ جذبات و خیالات پیدا کرنے کے لئے

درس گاہ کا کام دیتی ہے اور بین الاقوامیت کے ہاتھوں میں ایک زبردست آلۂ تحریک ثابت ہوتی ہے۔ برخلاف اس کے جو مزدور جماعتیں علیحدہ علیحدہ قومی بنیادوں پر قائم ہوتی ہیں، ان کے ساتھ یہ بات کبھی نہیں ہوتی۔ مزدور علیحدہ علیحدہ قومی جماعتوں میں بٹ جانے کے بعد اپنا اتحاد کھو بیٹھتے ہیں اور ان کے درمیان آپس ہی میں ایک دوسرے کے خلاف دیواریں حائل ہو جاتی ہیں۔ علیحدہ علیحدہ قومی مزدور جماعتوں میں مزدوروں سے متعلق مشترک باتوں پر زور نہیں دیا جاتا، بلکہ ان باتوں پر زور دیا جانے لگتا ہے جو مزدوروں کو ایک دوسرے سے علیحدہ کرتی ہیں۔ اس قسم کی جماعت بندیوں میں مزدور اولیں اہمیت کے اعتبار سے اپنی قوم کا ایک فرد ہوتا ہے۔ یعنی وہ سب سے پہلے یہودی ہوتا ہے یا پولی، یا جرمن، یا فرانسیسی اور بعد میں مزدور۔ چنانچہ مزدور تنظیم کے سلسلے میں قومی وفاق بندی کے اصول کی پابندی مزدوروں کے اندر قومی علیحدگی کی اسپرٹ پیدا کرتی ہے۔ مزدوروں کے بین الاقوامی اتحاد اور استحکام سے ایک قوم پر دوسری قوم کی حکومت اور تشدد کے مسئلے کو حل کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

Scanned by CamScanner
itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

اشتراکی اور قومی تحریک

ہم سوویت نظام کے اندر ایک مزدور تہذیب کی تعمیر کر رہے ہیں۔ اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اس مزدور تہذیب کی سرشت اور ماہیت تو اشتراکی ہے، لیکن اس کی شکلیں مختلف اور اس کا طریقۂ اظہار بھی مختلف قوموں میں مختلف ہے۔ یہ اختلاف قوموں کے نجی حالات اور ان کی قومی خصوصیات کے متوازی رہا ہے۔ اس اختلاف کی بنیاد زبان، رسوم و رواج وغیرہ وغیرہ کے فرق پر قائم ہے۔ ہم جس تہذیب کی تعمیر کر رہے ہیں، اس کی اندرونی خصوصیت تو پرولیتاری یعنی مزدورانہ ہے لیکن اس کی شکلیں قومی ہیں۔ یہ ہے وہ عالمگیر انسانی تہذیب جس کی طرف اشتراکیت قدم بڑھا رہی ہے۔ پرولیتاری تہذیب قومی تہذیب کو ختم نہیں کرتی۔ بلکہ اسے ایک خاص قسم کی سرشت اور ایک خاص قسم کی ماہیت عطا کرتی ہے۔ اسی طرح قومی تحریک پرولتاری تہذیب کو ختم نہیں کرتی۔ بلکہ اسے ایک خاص

شکل عطا کرتی ہے۔ جب تک سرمایہ دار طبقے کے ہاتھوں میں سیاسی اقتدار کی باگ دوڑ رہی اور مختلف قوموں کا اجتماع سرمایہ دارانہ نظام کے تحت رہا، اس وقت تک قومی تہذیب کا مطالبہ سرمایہ دار طبقے کا مطالبہ رہا۔ لیکن جب مزدور طبقہ برسرِ اقتدار ہوا اور سوویت حکومت کی رہنمائی میں قوموں کے اتحاد اور استحکام کا کام شروع ہوا، تو قومی تہذیب کا مطالبہ مزدور طبقے کا مطالبہ ہو گیا۔ "کاٹسکی" اور اس کے حامی کہتے ہیں کہ اشتراکیت کے عہد میں ایک واحد عالمگیر زبان قائم ہونی چاہیئے۔ اور تمام دیگر زبانوں کا ختم ہو جانا ضروری ہے۔ میں (یعنی اسٹالین) ایک واحد عالمگیر زبان کے نظریے کا قائل نہیں ہوں۔ میرا تجربہ اس سے مختلف ہے۔ ابھی تک تو صورت یہ رہی ہے کہ اشتراکی انقلاب نے زبان کی تعداد گھٹانے کی بجائے اور بڑھا دی ہے۔ اشتراکی انقلاب انسانیت کی عمیق ترین گہرائیوں میں ہل چل اور اضطراب پیدا کر دیتا ہے اور اس ہل چل میں اور اضطراب کو سیاست کے میدانِ کارزار میں گھسیٹ کر بہت سی ایسی قوموں کو نئی زندگی کی حرارت روشناس کرا دیتا ہے جو انقلاب سے پہلے تک تو گمنامی میں پڑی ہوتی ہیں۔ زار کے زمانے کے روس میں کم سے کم پچاس قومیں اور نسلی جماعتیں آباد تھیں۔ اکتوبر کے انقلاب نے پرانی زنجیروں کو توڑ کر اور بہت سی بھولی ہوئی قوموں اور انسانی جماعتوں کو منظرِ عام پر لا کر ان میں ایک نئی زندگی پیدا کر دی اور ان میں ترقی کی ایک نئی رُوح پھونک دی۔ آج کل ہندوستان کے بارے میں بھی یہی کہا جاتا ہے کہ وہ ایک واحد کُل ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر ہندوستان میں کوئی انقلابی لہر پھیلی تو بہت سی ایسی قومیں اپنی اپنی زبان اور اپنی اپنی تہذیب کو لے کر منظرِ عام پر ابھر آئیں گی، جو اب تک گمنامی میں پڑی ہوئی ہیں۔ اگر پرولتاری تہذیب کی

Scanned by CamScanner

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

تعمیر میں مختلف قوموں کے حصہ لینے کا سوال پیدا ہوگا تو مختلف قومیں اپنے اپنے رسوم و رواج اور زبان کے مطابق ہی ایک دوسرے سے اشتراکِ عمل کرسکتی ہیں اور پرولتاری کی تعمیر میں ہاتھ بٹا سکتی ہیں۔ بریت[1] کے کامریڈ ایک عالمگیر پرولتاری تہذیب کی تشکیل اور تعمیر کے دوران میں قوموں کے ایک دوسرے میں مدغم ہوجانے کا سوال اٹھاتے ہیں۔ یہ تو ٹھیک ہے کہ کچھ قومیں ایک دوسرے میں ضم ہوسکتی ہیں اور یقیناً ہوجائیں گی ایسا اس سے پہلے بھی ہوچکا ہے۔ لیکن اگر قومیں آپس میں مدغم ہوجائیں گی تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ متعدد طاقتور قوموں کی انفرادی ترقی اور ان کا انفرادی استحکام رُک جائے گا۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ قوموں کے ایک دوسرے میں ضم ہونے سے پہلے ضروری ہے کہ قوموں کی انفرادی ترقی عمل میں آئے۔ قوموں کا ایک دوسرے میں مدغم ہوجانے کا عمل علیحدہ علیحدہ قوموں کی ترقی کے پورے عمل کا نتیجہ ہوتا ہے۔ عالمگیر پرولتاری تہذیب قومی تہذیب کے امکان کو ختم نہیں کرتی۔ بلکہ اس کو ضروری قرار دیتی اور اس کی نشوونما کرتی ہے۔ بالکل اسی طرح قومی تہذیب عالمگیر پرولتاری تہذیب کو منسوخ نہیں کرتی بلکہ اس کی اعانت کرتی ہے اور اُس کو پہلے سے زیادہ بھرپور اور مکمل بناتی ہے۔

[1] روس کی ایک قوم کا نام

لینن اور قومی تہذیب

لینن نے کبھی یہ نہیں کہا کہ عالمگیر پیمانے پر اشتراکیت کی فتح سے پہلے کسی واحد ریاست کے حدود میں تمام قومی فرق مٹ جائیں گے اور قومی زبانیں ایک مشترکہ زبان میں مدغم ہو جائیں گی۔ لینن نے جو کچھ کہا ہے، وہ اس کے بالکل برخلاف ہے۔ اس نے کہا ہے کہ عالمگیر پیمانے پر مزدوروں کی حکومت قائم ہوجانے کے بعد بھی قوموں اور ملکوں کے قومی اور سیاسی فرق بہت زمانے تک موجود رہیں گے۔

لینن نے کبھی یہ نہیں کہا کہ ایک قوم پر دوسری قوم کے ظلم و تشدد کے ختم ہوجانے اور تمام قوموں کے مفاد کے ایک ہوجانے کا یہ مطلب ہے کہ قوموں کا باہمی فرق مٹ جائے گا۔ ہم نے سوویت نظام میں ایک قوم پر دوسری قوم کے ظلم و ستم کو ختم کر دیا ہے۔ بعض قوموں کو دوسری قوموں کے مقابلے میں جو مراعات حاصل تھیں، ان کو بھی ہم نے مٹا ڈالا ہے

Scanned by CamScanner
itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

اور قومی مساوات قائم کی ہے۔ ریاستوں کے درمیان پرانے مفہوم میں جو سرحدیں اور دیواریں کھڑی کر دی گئی تھیں، ان کو بھی ہم نے توڑ ڈالا ہے یعنی اب سوویت قوموں کے درمیان جھگڑے اور کدورتوں کی دیواریں حائل نہیں رہیں۔ سرحدوں پر اب فوجی اڈے نہیں رہے ہم نے تمام سوویت قوموں کے معاشی اور سیاسی مفاد میں اتحاد اور ہم آہنگی پیدا کی ہے۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم نے قومی فرق کو بھی مٹا دیا۔ ہم نے قومی زبان، قومی تہذیب اور قومی رسوم ورواج کو برقرار رکھا۔ چنانچہ تاریخ کے اس دور میں قومی جمہوریتوں اور علاقہ بندیوں کو مٹا دینے کا مطالبہ ایک رجعتی مطالبہ ہے اور مزدور حکومت کے اصولوں اور مفاد کے خلاف۔ اس وقت قومی جمہوریتوں اور علاقوں کو ختم کر دینے کا مطلب یہ ہے کہ سوویت نظام کے اندر بسنے والی قوموں کے عوام کو خود اپنی زبان میں تعلیم حاصل کرنے کے مواقع سے محروم کر دیا جائے اور انھیں اپنے اسکول، اپنی عدالتیں اور اپنے سرکاری انتظام قائم کرنے سے روکا جائے۔ ان کے پبلک اور سرکاری اداروں اور انجمنوں میں مقامی زبان استعمال کرنے کے حق سے محروم کر دیا جائے۔ ان کو اشتراکی تعمیر میں حصہ لینے سے محروم کیا جائے۔ جو لوگ قومی جمہوریتوں اور علاقوں کو ختم کر دینے کے قائل ہیں، وہ جھوٹی اور نقلی قسم کی بین الاقوامیت کی تلاش میں رجعت پرست روسی قوم پرستوں کے پنجے میں پھنس گئے ہیں۔ یہ حضرات مزدور حکومت میں "تہذیبی انقلاب" کا نعرہ بھول گئے ہیں، جس کا مساوی طور پر سوویت نظام میں بسنے والی تمام قوموں پر اطلاق ہوتا ہے یعنی روسی اور غیر روسی دونوں قوموں پر۔

لینن نے یہ کبھی نہیں کہا کہ قومی تہذیب کو ترقی دینا مزدور حکومت کے تحت رجعت

پرستی کے مترادف ہے۔ بلکہ اس کے برخلاف لینن نے ہمیشہ اس بات کی حمایت کی ہے کہ سوویت نظام کے اندر بسنے والی قوموں کو اپنی اپنی قومی تہذیب کو ترقی دینے کے کام میں مدد دی جائے۔ لینن ہی کی رہنمائی میں دسویں پارٹی کانگریس نے قومی مسئلے پر ایک تجویز پاس کی، جس میں صاف طور پر مندرجہ ذیل باتیں درج ہیں :-

"پارٹی کے سامنے یہ اہم کام ہے کہ غیر روسی قوموں کے محنت کش عوام کی مدد کی جائے تاکہ وہ مرکزی روس کی ترقی کی سطح پر آجائیں۔ مندرجہ ذیل باتوں میں ان کی مدد کی جائے۔

۱۔ ہر قوم کے محنت کش عوام خود اپنا سوویت ریاستی نظام قائم کریں اور اس کو ترقی دیں اور مستحکم بنانے کی کوشش کریں۔ یہ سوویت ریاستیں ایسی شکل اختیار کریں جو ہر قوم کے سماجی حالات کے مطابق ہو (۲) ہر قوم خود اپنی عدالتیں کارکری ادارے اپنے معاشی محکمے اور انجمنیں قائم کرے۔ ان تمام اداروں میں مقامی زبان استعمال میں لائی جائے اور تمام عہدوں پر مقامی لوگ بھرتی کئے جائیں اس لیے کہ وہ مقامی آبادی کی نفسیات اور رسوم ورواج سے واقف ہوں گے۔ (۳) ہر قوم کا اپنا پریس ہو۔ اپنے اسکول، اپنے تھیٹر اور اپنے کلب اور اپنے تہذیبی اور تعلیمی ادارے ہوں اور یہ سب کے سب مادری زبان میں ہوں (۴) نصابوں اور اسکولوں کا ایک وسیع اور جامع سسٹم بنایا جائے، جس کا مقصد عام تعلیم دینا ہو۔ اور پیشہ ورانہ اور فنی تربیت کا انتظام کرنا ہو۔ ... میں بھی مقامی زبان ہی استعمال

Scanned by CamScanner
itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

میں لائی جاتے۔"

اوپر کی تجویز سے یہ صاف ظاہر ہو گیا ہو گا کہ لینن مزدور حکومت کے تحت مختلف قومی تہذیبوں کو ترقی دینے کا پورا پورا حامی تھا۔ ممکن ہے یہ بات تعجب انگیز معلوم ہو کہ ہم ایک طرف تو اس بات کے قائل اور حامی ہیں کہ آگے چل کر شکل اور ماہیت کے اعتبار سے تمام قومی تہذیبیں ایک مشترکہ تہذیب میں مدغم ہو جائیں گی اور اس مشترکہ تہذیب کی ایک واحد مشترکہ زبان ہو گی لیکن دوسری طرف ہم موجودہ زمانے میں یعنی پرولتاری آمریت کے زمانے میں مختلف قومی تہذیبوں کے الگ الگ نشوونما پانے کی حمایت کر رہے ہیں۔ بظاہر ان دو باتوں میں تضاد معلوم ہوتا ہے لیکن دراصل ایسا ہرگز نہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ تمام قومی تہذیبوں کو ترقی دینے، پھیلنے اور اپنی تمام پوشیدہ خوبیوں کو ظاہر کرنے کا موقع دیا جائے تاکہ وہ حالات پیدا ہو سکیں جن کے تحت تمام قومی تہذیبیں مل کر ایک ہی مشترکہ تہذیب کی شکل اختیار کر لیں۔ جس کی ایک ہی مشترکہ زبان ہو، پہلے تو یہ ہو گا کہ ہر ملک میں مزدور راج کے زیر سایہ قومی تہذیبوں کی الگ الگ نشوونما ہو گی۔ اس طرح کسان کی شکل تو قومی ہو گی۔ لیکن ماہیت اشتراکی ہو گی۔ اس کا مقصد یہ ہو گا کہ تمام تہذیبیں ایک واحد مشترکہ اشتراکی تہذیب میں مدغم ہو جائیں گی۔ اس مشترکہ تہذیب کی شکل اور ماہیت دونوں اشتراکی ہوں گی۔ اس تہذیب کی اپنی ایک مشترکہ زبان ہو گی۔ یہ اس وقت ہو گا جب ساری دنیا میں مزدور طبقے کی فتح ہو گی اور اشتراکیت آئے دن کی چیز ہو جائے گی۔

ممکن ہے لوگ کہیں کہ اس تصور میں تضاد کا پہلو پایا جاتا ہے۔ ہم ان سے یہ کہیں

گے کہ ریاست کے مسئلے کو حل کرنے کے لئے ہم نے جو رویہ اختیار کیا ہے، اس میں بھی تضاد کا پہلو موجود ہے۔ ہم ایک طرف اس بات کے حامی ہیں کہ ریاست آہستہ آہستہ معدوم ہو جائے۔ لیکن ہم اس کے ساتھ ساتھ مزدوروں کی ریاست اور حکومت کو مضبوط اور طاقتور بنانے کے بھی حق میں ہیں۔ مزدوروں کی یہ حکومت تاریخ انسانی کی سب سے طاقتور حکومت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ریاست کے وجود کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دینے کے لئے ضرورت ہے کہ مزدور ریاست کے اقتدار کو اعلیٰ ترین معیار پر لے جایا جائے۔ کیا اس میں تضاد کا پہلو موجود نہیں ہے ہاں تضاد ضرور موجود ہے۔ لیکن یہ تضاد ایک زندہ و پائندہ شے ہے اور مارکسی جدلیات کا مکمل عکس۔ اسی سے ریاست کا وجود ختم ہو سکتا ہے ۔

itsurdu.blogspot.com
Scanned by CamScanner